7.50

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اختلاف امتی رحمۃ

رسالہ

اختلاف الائمہ

مصنفہ

حضرت اقدس برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ

یہ معرکۃ الآراء رسالہ اپنے موضوع پر ایک اہم رسالہ ہے یہ اگرچہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا تاہم جو بحثیں مذاہب اور ائمہ مجتہدین کے اختلاف کے اسباب کے ذیل میں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہیں ان کی انفرادیت اور اہمیت کی ضمانت کے لئے مصنف کا نام نامی کافی ہے۔ رسالہ دلچسپ ہونے کے ساتھ اساتذہ تلامذہ بلکہ عوام سب ہی کے لئے مفید ہے۔







مکتبۃ الشیخ ۔ ۳/۳۶۷ بہادر آباد ۔ کراچی

[illegible]

[illegible]

23.12.84 [illegible]

Marfat.com

هدیہ از طرف دار العلوم حقانیہ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اختلاف امتی رحمۃ

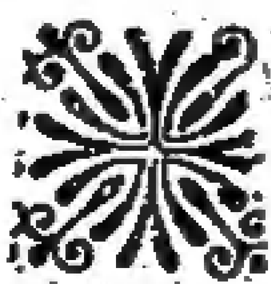
رسالہ

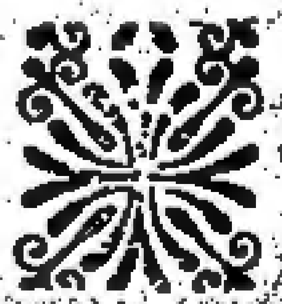
اختلاف الائمہ

مصنفہ

حضرت اقدس برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ

یہ معرکۃ الآراء رسالہ اپنے موضوع پر ایک اہم رسالہ ہے یہ اگرچہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا تاہم جو بحثیں مذاہب اور ائمہ مجتہدین کے اختلاف کے اسباب کے ذیل میں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہیں ان کی انفرادیت اور اہمیت کی ضمانت کے لئے مصنف کا نام نامی کافی ہے۔ رسالہ دلچسپ ہونے کے ساتھ اساتذہ تلامذہ بلکہ عوام سب ہی کے لئے مفید ہے۔



مکتبۃ الشیخ ـ ۳/۳۶۷ بہادر آباد ـ کراچی

Marfat.com

نام کتاب ______ اختلاف الائمہ

صفحات ______ ۸۸

ہدیہ ______ روپے

کتابت ______ عبدالحق حقانی

تعداد طباعت ______ ایک ہزار

7-501

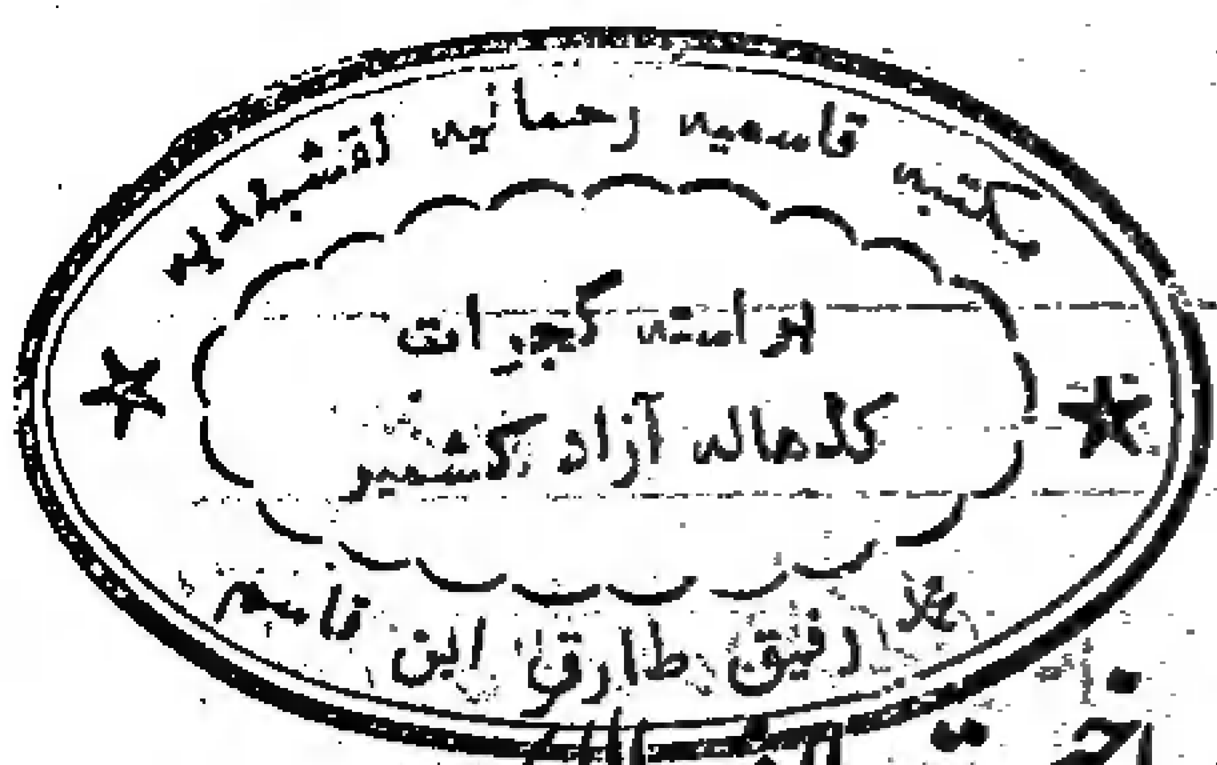
ناشر

مکتبۃ الشیخ

۳/۳۶۷ — بہادر آباد گلی نمبر ۱۹ کراچی

مطبوعہ گلزار پریس، مرشد شاہ محمد سلمان روڈ، کراچی ۱۱، ٹیلیفون نمبر 674325

Marfat.com



فہرست ہائے مضامین اختلاف الائمہ

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

مضمون	صفحہ

Marfat.com

Marfat.com

مقدمہ

از مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم ثم مہاجر مدنی قدس سرہٗ

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم وآلہ واصحابہ واتباعہ حملۃ للدین القویم

اما بعد مدرسہ مظاہر علوم سے رمضان ۱۳۴۲ھ میں ایک ماہوار رسالہ "المظاہر" محبی و مخلصی مولانا جمیل احمد صاحب مدرس مدرسہ و حال مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور کی زیر ادارت نکلنا شروع ہوا تھا اور مولانا موصوف کے شدید اصرار پر اپنی نااہلی اور بے بضاعتی کے باوجود اختلاف ائمہ پر ایک مضمون موصوف کے شدید اصرار اور تقاضوں پر شروع کیا تھا جب تک وہ رسالہ جاری رہا تو باوجود مشاغل کے ہجوم کے دو چار صفحات ہر ماہ لکھتا رہا لیکن عوارض اور موانع کی وجہ سے یہ رسالہ تقریباً تیرہ چودہ ماہ بعد بند ہو گیا تو اس ناکارہ کا مضمون بھی بند ہو گیا اگرچہ بہت سے احباب اور مختلف رسائل کے ایڈیٹران نے بہت ہی شدید اصرار اس کی تکمیل پر کیا لیکن مولانا جمیل احمد صاحب تو چونکہ مدرسہ کے مدرس تھے ہر وقت پاس رہتے تھے اس لیے بار بار کے تقاضا پر کچھ لکھوا لیتے تھے لیکن رسالہ کے بند ہونے کے بعد میری خواہش اور احباب کے اصرار کے باوجود اس کی تکمیل کی نوبت نہیں آئی ارادہ تو اس میں بہت تفصیل اور بہت سے مضامین لکھنے کا تھا مگر مشاغل علمی اور تالیفی بڑھتے ہی رہے اس لیے اس کی تکمیل کی نوبت نہیں آئی۔ بعض احباب نے اس وقت یہ بھی اصرار کیا کہ جتنا ہو گیا ہے اس کو حصہ اول کر کے طبع کرا دیا جائے مگر مضمون چونکہ بہت ہی ناقص تھا اس لیے یہ خیال رہا کہ جب کچھ حصہ اور ہو جائے تو طبع کرا دیا جائے لیکن اب تو اس کی امید بالکل ہی منقطع ہو گئی کہ امراض کی کثرت نے بالکل ہی معذور کر دیا اور لب گور بیٹھا ہوں اسلئے عزیز مولوی محمد شاہد سلمہ اور میرے دوسرے مخلص دوستوں کا اصرار ہوا کہ جتنا لکھا گیا ہے وہ بھی نفع سے خالی نہیں اسلئے عزیز مولوی شاہد سلمہ اسکو طبع کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔ لوگوں کو منتفع فرمائے اور عزیز موصوف کو دارین کی ترقیات سے نوازے۔ آمین۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

Marfat.com

اختلاف ائمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

حامداً و مصلیاً۔ عرصہ سے یہ اشکال قلوب سے نکل کر زبانوں تک پہ آرہا ہے کہ ائمہ مجتہدین جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سے استدلال فرماتے ہیں تو ان کے مابین اختلاف کیوں ہے بالخصوص مناظروں کی گرم بازاری اور اختلافی مسائل پر عام رسائل کے شیوع نے اس اشکال کی اور بھی زیادہ بُری صورت بنادی، حتیٰ کہ اشکال کرنے والے دو فریق پر منقسم ہو گئے۔ ایک فرقہ ائمہ مجتہدین کے ساتھ بدظنی کے الحاد میں اس قدر پھنس گیا ہے کہ وہ اپنی خوش اعتقادی سے اگر اس بھنور سے نکلنا بھی چاہتا ہے تو اس کے سامنے مجتہدین کے اقوال نص صریح کے خلاف ہونے کا ایسا جال ہوتا ہے کہ وہ اس وجہ سے اس سے نکل بھی نہیں سکتا، دوسرا فریق اس سے بھی کچھ زیادہ ترقی کر چلا ہے کہ وہ ائمہ مجتہدین سے آگے بڑھ کر خود سردار دو عالم نبی اکرم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی شان میں گستاخانہ خیالات جمانے لگا ہے کہ کہیں کچھ ارشاد فرمادیا ہے اور کہیں کچھ اور فرمادیا، اور حقیقی قصور ان اردو تراجم کا ہے کہ بات سمجھنے کے لیے اس کی استعداد اور اس کے مقدمات کا معلوم اور مستحضر و ذہن نشین ہونا ضروری ہے اور یہ مفقود ہو جانے سے صرف الفاظ کا ترجمہ سامنے آکر خلجان اور اشکال کا سبب بن جاتا ہے اس اختلاف کے ثمرات کی اب یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ آپس میں فرقہ بندی اور منازعات و مخاصمات کی نوبت آتی رہتی ہے۔ ایک فریق وضو کرتا ہے تو دوسرے کے نزدیک باطل اور دوسرا فریق نماز پڑھتا ہے تو وہ اس کے نزدیک فاسد، زکوٰۃ، صوم، حج، ہر ہر چیز میں اختلافات بڑھنے لگے اور مخاصمت کی نوبت پہنچ گئی۔ اس لیے نہایت ضروری ہوا کہ اصل اختلافات کا مبنیٰ ظاہر کیا جائے اور ابتدائے زمانہ سے

Marfat.com

اختلاف کی وجوہ بتلا کر اس پر متنبہ کیا جائے کہ نہ درحقیقت روایات کا اختلاف ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عالی بارگاہ میں شبہ کی گنجائش ہو نہ اس کے بعد صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین کی شان میں گستاخی کی گنجائش ملے۔ بلکہ حقیقتاً جملہ مجتہدین صراط مستقیم ہی کے پیش رو ہیں۔ اور اسی کی طرف داعی و ہادی، اور ان کی شان میں گستاخی حرمان کی علامت ہے والعیاذ باللہ۔

اس میں شک نہیں کہ مضمون نہایت ہی اہم اور ضروری ہے مگر اے کاش کہ اس کے لیے کسی ایسے شخص کا قلم ہوتا جو اس کا اہل ہو ورنہ میری ناقص تحریر اس مضمون کو سلجھانے کے بجائے خدانخواستہ کسی اور الجھاؤ میں نہ پھنسا دے، ہر چند میں نے اہل "المظاہر" سے عذر کئے مگر ان کے از حد رفتہ اصرار نے مجبور کیا۔ کہ اپنی نااہلیت کا اعتراف کرتے ہوئے کچھ عرض کردوں۔ اسلیے اپنی ٹوٹی پھوٹی تحریر پیش کرتا ہوں۔

چونکہ اس اختلاف کے حقیقتاً تین دور ہیں۔ ایک اختلاف روایات یعنی نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اقوال و افعال میں جو بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے، دوسرے اختلاف آثار یعنی صحابہ کرام و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال و افعال میں جو تعارض معلوم ہوتا ہے اور تیسرے اختلاف مذہب جو ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں اگر کسی مجتہد کا قول مختار ہونے کی وجہ سے اس کے مقلدین کے لیے ہمیشہ کا معمول بہ بن گیا، اس لیے میں بھی ان تینوں پر علیحدہ علیحدہ اجمالی گفتگو ضروری سمجھتا ہوں اور چونکہ دوسرا تیسرا اختلاف حقیقتہً پہلے ہی اختلاف کی فرع ہے اس لیے اسی ترتیب سے اپنی تحریر کو پیش کرتا ہوں۔

وباللہ التوفیق۔

Marfat.com

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسائل کی صورت اور اختلاف روایات کی بڑی وجہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تعلیم مسائل کی یہ صورتیں نہیں تھیں جو آج دائر ہیں کہ فقہ کے نام سے مستقل تصانیف، کتب اور رسائل بڑی اور چھوٹی تالیفات ہر ہر نوع اور ہر ہر مسئلہ پر جدا جدا لکھی جاتی یا پائی جاتی ہیں، مسائل اور احکام میں ارکان اور شرائط آداب اور ممنوعات کو جدا جدا بتایا جاتا ہے، اسکی صورت صرف یہ تھی کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جب کوئی حکم نازل ہوا تو اس کو قولاً اور فعلاً خود کر کے تبلا دیا، وضوء نازل ہوئی تو خود وضو فرما کر تبلا دی۔ اور نماز نازل ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے پڑھ کر حضور کو تبلا دی اور امت کو سکھلا دی، اور اس میں یہ صورت یہ تدقیقات کہ فلاں جزو فرض ہے فلاں رکن فلاں سنت ہے فلاں واجب نہیں ہوتی تھیں اصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین احتمالات اور عقلیات دریافت ہی نہیں فرماتے تھے اگر کوئی جرح بھی کرتا تھا تو وہ خلاف ادب شمار کیا جاتا تھا اور اس کو بے ادبی پر تنبیہ کی جاتی تھی۔

حضرت ابن عمرؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے اہل کو اگر وہ مسجد میں نماز پڑھنا چاہے تو نہ روکے۔ ابن عمر کے ایک صاحبزادہ نے زمانہ کو دیکھتے ہوئے عرض کر دیا کہ ہم تو مسجد میں نہ جانے دیں گے، حضرت ابن عمر کو حدیث نبوی کے مقابلہ میں بیٹے کا یہ فقرہ سننا گوارا تو کیا ہوتا صرف ڈانٹ ڈپٹ ہی نہیں بلکہ مسند احمد کی روایت میں لکھا ہے کہ اس کے بعد سے مرتے تک بیٹے سے کلام نہیں کیا۔ اور یہ فرمایا کہ میں حضور کا ایک فرمان نقل کرتا ہوں تو اس کا یہ جواب دے۔ ایسے ہی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ وتر واجب ہے یا سنت، انہوں نے جواب میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے ہمیشہ وتر پڑھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہمیشہ وتر پڑھے، اس کے بعد مکرر سہ کرر سائل دریافت کرتا رہا کہ وتر واجب ہے یا نہیں اور حضرت ابن عمرؓ یہی جواب مرحمت فرماتے رہے، جس کا مطلب یہی تھا کہ عمل کرنے والے کے لیے تدقیقات کی ضرورت نہیں، جب حضور اقدس اور صحابہ کا معمول یہ ہے تو واجب العمل ہونا خود معلوم ہو جاتا ہے، غرض مسائل کی تعلیم اکثر فعلی حسب ضرورت ہوتی رہتی تھی، وہ لوگ ایسی صورتوں کو کہ اگر کوئی وضو میں فلاں چیز ترک کر دے تو کیا حکم ہے اور اگر ایسا ہو جائے تو کیا ہوگا ناپسند سمجھتے تھے، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایسے شخص پر لعنت کی ہے جو ایسے سوالات کرتا پھرے جو درپیش نہیں، جو مسئلہ بحیثیت واقعہ پیش آتا تھا وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے دریافت کر لیا جاتا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مناسب و موافق حکم ارشاد فرما دیتے تھے، ایسی صورت میں اختلاف ہونا لازمی اور بدیہی ہے۔

مثال کے طور پر چند واقعات لکھے جاتے ہیں جس سے اس کا اندازہ اور بھی واضح ہو جائے گا۔ امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل فرمایا ہے کہ ایک نابینا صحابی نے آکر حضورؐ سے یہ عرض کیا کہ مجھے مسجد تک پہونچانے والا کوئی شخص نہیں مجھے اس کی اجازت ہے کہ اپنے گھر نماز پڑھ لیا کروں اور مسجد میں حاضر نہ ہوا کروں، حضورؐ نے اجازت مرحمت فرما دی، اور پھر یہ معلوم فرما کر کہ ان کا گھر اتنا قریب ہے کہ اذان کی آواز ان کے گھر تک جاتی ہے ان کو اجازت نہیں دی۔ اور مسجد میں آکر شرکت نماز کا حکم فرمایا، لیکن عتبان بن مالکؓ کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عدم بینائی کا عذر قبول فرما کر ان کو مسجد میں نہ آنے کی اجازت فرما دی، ایسے ہی عبداللہ بن زیدؓ نے الفاظ اذان کو خواب میں دیکھا تھا ان کے لیے حضور اقدسؐ نے اس کی اجازت فرما دی کہ باوجود بلالؓ کے اذان کہنے کے وہ تکبیر کہیں لیکن ایک سفر کے موقع میں زیاد بن حارث صدائی نے اذان کہی اور

Marfat.com

اس کے بعد حضرت بلالؓ نے تکبیر کا ارادہ کیا تو حضور اقدسؐ نے یہ فرما کر کہ جو شخص اذان کہے اسی کا حق اذان کہنے کا ہے حضرت بلالؓ کو روک دیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے تمام مال کو ایک مرتبہ تصدق فرما دیا اور حضورؐ نے قبول فرما لیا لیکن متعدد صحابہ ایسے تھے جنہوں نے اپنے تمام مال کا صدقہ کیا یا صدقہ کا ارادہ فرمایا اور حضورؐ نے ان کو روک دیا اور رد فرما دیا۔ غرض یہ واقعات دو چار نہیں۔ سینکڑوں اور ہزاروں کی مقدار میں ایسے ہیں جن سے یہ امر نہایت واضح ہو جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اشخاص کیلئے کوئی حکم فرماتے تھے جسکی دوسرے بعض کو اجازت نہیں ہوتی تھی ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ سے ایک شخص نے روزہ کی حالت میں بیوی سے بوس و کنار کو دریافت کیا۔ تو حضورؐ نے اجازت فرما دی، اور ایک دوسرے شخص نے دریافت کیا تو حضورؐ نے منع فرما دیا، غور کیا بات سمجھ میں آئی کہ جسکو اجازت دیدی تھا وہ بوڑھا شخص تھا اور جسکو منع فرمایا وہ جوان تھا۔

اب ان سب قصوں میں ہر شخص یقیناً وہی امر نقل کرے گا جو اس پر گذرا۔ اور جسکو وہ خود بلا واسطہ حضورؐ سے معلوم کر چکا ہے، جس شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ میں اس کی اجازت فرما دی ہے وہ بلا تکلف ———— ہر شخص تک اس امر کو پہنچانے کا ساعی ہوگا کہ روزہ کی حالت میں بوس و کنار جائز ہے اور مفسد روزہ نہیں۔ اور دوسرا شخص اسی شد و مد سے اس کا خلاف نقل کرے گا۔ اور وہ روزہ کیلئے اس کو ناجائز قرار دے گا، اور یہی نہیں کہ صرف ان دو شخصوں کی متعارض روایتیں ہو گئیں بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ہمیشہ طالبین و شائقین کا مجمع رہتا تھا، مسائل پوچھنے والے، زیارت کرنے والے، قاصد و امیر ہر وقت آتے جاتے رہتے تھے۔"

اس بنا پر ان مختلف احکام کے دو وقتوں میں سننے والے جہاں جہاں جائیں گے وہی امر نقل کریں گے جو انہوں نے اپنے کانوں سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے سنا ہے، درحقیقت یہ ہی ایک وجہ ایسی اہم اور طویل ہے۔ کہ اس کے ذیل میں جس قدر بھی

Marfat.com

اختلاف روایات ہو وہ کم ہے اس لیے کہ مجمع میں معذور غیر معذور، قوی، ضعیف، ہر نوع کے شخص ہوتے ہیں اور ہر شخص کے لیے اس کی قوت وضعف کے لحاظ سے حکم بدل جاتا ہے، ایک شخص اس قدر قوی القلب ہے کہ وہ اگر اپنا تمام مال صدقہ کر دے تو اس کی زبان پر شکوہ یا سوال تو درکنار اس کے قلب پر یہ بھی اطمینان ہے کہ اس کو جتنی بھی تکلیف ہوگی اس ہی قدر رضائے الہی اور توجہ الی اللہ میں انہماک ہوگا اس کے لیے نہایت ہی مناسب ہے کہ تمام مال تصدق کر دے، دوسرا وہ شخص ہے جس پر اس قسم کا اطمینان نہیں بلکہ اندیشہ شکوہ شکایت سے بھی آگے بڑھ جانے کا ہے اس کے لیے ناجائز ہے کہ وہ اپنا تمام مال تصدق کر دے۔

ایسے ہی اگر ایک شخص نہایت قوی ہے اس کے لیے ہی انسب ہے کہ وہ سفر کی حالت میں رمضان المبارک کا روزہ قضا نہ کرے کہ رمضان المبارک کی فضیلت ہاتھ سے نہ جائے، لیکن اگر دوسرا شخص ضعیف ہے اس کے لیے ایسی حالت میں کہ مضرت کا احتمال غالب ہو رمضان المبارک میں روزہ رکھنا ناجائز ہوگا اس ہی فرق کی وجہ سے روایات حدیث میں اس جگہ بھی اختلاف ہوگا، ابو سعید خدریؓ نقل کرتے ہیں کہ ہم سولہ رمضان المبارک کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں ایک غزوہ کے لیے چلے راستہ میں ہمارے بعض رفقاء نے روزہ رکھا اور بعض نے افطار کیا، کوئی ایک فریق دوسرے پر معترض نہیں تھا نہ روزہ رکھنے والے افطار کرنے والوں کو مطعون کرتے تھے نہ افطار کرنے والے روزہ رکھنے والوں کا خلاف کرتے تھے۔

حمزہ بن عمر اسلمیؓ نے خود حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے سوال کیا کہ میری عادت کثرت سے روزہ رکھنے کی ہے سفر کی حالت میں روزہ رکھ لیا کروں؟ حضور نے ارشاد فرمایا اختیار ہے چاہے رکھ لو یا نہ رکھو، لیکن حضرت جابرؓ نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سفر کی حالت

Marfat.com

میں روزہ رکھنا کچھ بھلائی کی بات نہیں ہے، بلکہ ایک جگہ نقل کرتے ہیں کہ حضورؐ نے ان لوگوں کو گنہگار بتلایا ہے جو حالت سفر میں روزہ رکھتے ہوں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ عبدالرحمن بن عوف حضورؐ سے نقل فرماتے ہیں کہ سفر کی حالت میں روزہ رکھنے والا ایسا ہے جیسا کہ حضر یعنی غیر سفر کی حالت میں روزہ توڑنے والا۔

غرض اختلاف روایات کی بڑی وجہ یہ اختلاف احوال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احوال و اوقات کے لحاظ سے دو وقتوں میں دو شخصوں کو علیحدہ ارشادات فرمائے جس مجمع میں جو حکم ارشاد فرمایا دوسرے حکم کے وقت وہ ہی مجمع نہ ہونا بدیہی ہے، اس لیے دو بڑی جماعتیں دو مختلف حکموں کی ناقل بن گئیں، اگر ایسے بھی بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوں گے بلکہ ہوتے تھے جنہوں نے دونوں حکم سنے ہوں گے اور ان کو ضرورۃً تأمل و غور کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ ان مختلف احکام کی کیا وجہ ہوئی اور پھر انہوں نے اپنے خیال کے موافق دونوں کو جمع فرمایا جیسا کہ ابھی گذر چکا ہے کہ ابو ہریرہؓ نے روزہ کی حالت میں بوس و کنار کے بارہ میں دو حدیثیں نقل کیں اور دونوں کے اختلاف کی وجہ بھی بتلا دی، ایسے ہی اور ہزاروں واقعات نکلیں گے اس جگہ ان کا استیعاب نہ ہو سکتا ہے نہ مقصود، یہ چند واقعات بھی مثال کے طور پر اس لیے ذکر دیئے ہیں کہ یہ بات اگرچہ خود ہی بدیہی ہے لیکن واقعات کی شہادت سے اور زیادہ ذہن نشین ہو سکتی ہے ان مختلف روایات کے بعد صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین کا یہ فرض ہے کہ وہ دونوں طرح کی روایات کا ماخذ، موقع، محل تلاش فرما کر ہر روایت کو اس کے موقع پر محمول فرما دیں۔

اختلاف روایات کی دوسری اور تیسری وجہ

منجملہ اور وجوہ کثیرہ کے دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حکم کسی خاص شخص کے لیے مخصوص فرمایا کسی خصوصیت کی وجہ سے

Marfat.com

کسی شخص کو مخاطب فرما کر کوئی ارشاد فرما کر خصوصاً مجلس میں سے بعض حضرات نے اس کو عام حکم سمجھ کر کلیہ کے طور پر نقل فرما دیا۔ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت حضرت عائشہؓ کے خیال کے موافق حضرت ابن عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے حضرت عائشہؓ اس کا انکار فرماتی ہیں ان کا خیال ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک خاص عورت کے بارہ میں یہ قصہ فرمایا تھا کہ وہ یہودیہ جس پر یہ گھر والے رو رہے ہیں عذاب دی جا رہی ہے ہمیں اس جگہ نہ اس نوع کی روایات کا احصار مقصود ہے نہ اس پر کلام بلکہ مقصد یہ ہے کہ حضرت عائشہ کی رائے جمہور محققین کے نزدیک راجح ہے یا ابن عمرؓ کی۔ ہمارا مقصود صرف یہ تبلانا ہے کہ اس نوع کا اختلاف بھی روایات حدیث میں بکثرت موجود ہے اسی قبیل سے حنفیہ کی تحقیق کے موافق خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد کی روایات ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سلیک غطفانی ایک صحابی جو نہایت ہی ضرورتمند غریب الحال تھے ان کو اس لیے تحیۃ المسجد کا اس وقت حکم فرمایا تھا کہ لوگ ان کی غربت پر بھی نظر کریں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس خصوصیت کا لحاظ کریں گے۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو خطبہ کے درمیان ہی میں نوافل کا حکم فرمایا بعض روایات کے موافق خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ روک کے کھڑے رہے لیکن مجمع میں بہت سے حضرات تھے جنہوں نے اس حکم کو عام قرار دیا اور کلیہ کے طور پر نقل فرما دیا کہ جو شخص خطبہ کے وقت مسجد میں داخل ہو اس کو دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنی چاہئیں۔ اسی قبیل سے ہی سالم مولیٰ حذیفہ کے دودھ پلانے کا قصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مخصوص ان کے لیے حکم ارشاد فرمایا تھا لیکن حضرت عائشہؓ اس حکم کو عام سمجھ کر کلی طور پر یہ حکم لگاتی ہیں اور دیگر ازواج مطہرات نے کلیۃً اس سے انکار فرمایا ہے۔ ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ہمیں اس حکم کی وجہ معلوم نہیں

Marfat.com

پس یہ قطعی ہے کہ یہ حکم سالم کے ساتھ مخصوص تھا یہی وجوہ ہیں عمران بن حصین کے اس قول کی جس کو ابن قتیبہ نے تاویل مختلف الحدیث میں نقل کیا ہے۔

ان عمران بن حصین	عمران بن حصین صحابی فرماتے ہیں
قال واللہ ان کنت	واللہ مجھے اس قدر حدیثیں یاد
لاری انی لو شئت لحدثت	ہیں کہ چاہوں تو دو روز تک
عن رسول اللہ صلی اللہ	برابر روایت کر سکتا ہوں لیکن
علیہ وسلم یومین متتابعین	یہ مانع ہے کہ چند صحابہ نے میری
ولکن یبطئنی عن ذالک	طرح سے احادیث کو سنا اور حضورؐ
ان رجلا من اصحاب	کی خدمت اقدس میں میری
رسول اللہ صلی اللہ علیہ	طرح حاضر باش رہے۔ لیکن پھر
وسلم سمعوا کما	بھی روایت میں غلطی کرتے ہیں
سمعت وشھدوا کما	مجھے روایت کرنے میں یہ بھی
شھدت ویحدثون	اندیشہ ہے کہ روایات مجھ پر
احادیث ما ھی کما یقولون	ایسی مشتبہ ہو جائیں جیسا کہ ان
واخاف ان یشبہ	پر مشتبہ ہو گئیں۔ میں اس پر
لی کما شبہ لھم فاعلمک	متنبہ کرتا ہوں کہ ان لوگوں سے
انھم کانوا یغلطون لا انھم	کچھ وہم ہوا نہ کہ وہ دیدہ دانستہ
کانوا یتعمدون۔	غلط روایات کرتے ہیں

اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں کثرت روایت کو منع فرما دیا تھا حتی کہ اسی کثرت کی وجہ سے بعض اجل صحابہ پر پابندی عائد کر دی تھی ابو سلمہؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا کیا تم عہد فاروقی میں بھی اسی کثرت سے روایت کرتے تھے انھوں نے فرمایا کہ اگر اس وقت اس طرح روایت کرتا تو حضرت عمرؓ درہ سے

Marfat.com

خبر لیتے غرض اختلاف روایات کی دوسری وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ جو حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی خاص شخص کے لیے مخصوص طور پر فرمایا تھا اس کو کسی نقل کرنے والے نے علی العموم نقل کر دیا جس کے امثلہ ابھی گذر چکی ہیں اور تیسری وجہ اسکے عکس کی صورتیں ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی حکم علی العموم ارشاد فرمایا تھا اس کو کسی نقل کرنے والے نے کسی شخص کے ساتھ یا کسی وقت کے ساتھ مخصوص قرار دے لیا اس کی مثالیں بھی گذشتہ روایات میں ظاہر ہیں مثلاً حضرت ابن عمرؓ کی وہ روایت جو میت کے عذاب کے بارہ میں گذری ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ وہ مخصوص یہودیہ کا قصہ ہے انہی مواقع کی تنقیح کے لیے ائمہ مجتہدین کی ضرورت ہے جن کے سامنے ہر نوع کی مختلف روایات موجود ہوں صحابہ کے مختلف اقوال مستحضر ہوں جن کے مجموعہ سے یہ امر منقح ہو سکے کہ کون حکم عام ہے کون خاص اور کیا داعی ہے ایک ہی امر کو ایک شخص کے لیے جائز قرار دینے کا اور اسی کو دوسرے کے لیے ناجائز فرمانے کا۔

اختلافِ روایات کی چوتھی وجہ

روایات حدیث کے درمیان میں بسا اوقات اختلاف اس وجہ سے بھی ہوا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متعدد لوگوں نے ایک کام کرتے دیکھا دیکھنے والوں کے فہم کا مختلف الوزن ہونا بدیہی ہے بعض لوگ مجتہد تھے فقیہ تھے بات کو اس کے طریقہ کے موافق سمجھنے والے تھے انہوں نے حسب موقع واقعہ کے مطابق خیال اور بعض لوگ حافظہ کے دھنی بات کو یاد رکھنے میں یکتا پہلے طبقہ سے بھی اس میدان میں جا کر آگے لیکن تفقہ میں اُن سے کم انہوں نے واقعہ اپنی فہم کے مطابق نقل فرمایا اس کی مثالیں کتاب الحج میں سینکڑوں ملیں گی۔ مثلاً ایک شخص نقل کرتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حج افراد تھا۔ اس لیے کہ اُس نے

Marfat.com

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لبیک بحجۃ کہتے سنا اس میں تردد نہیں کہ روایت صحیح اس میں شک نہیں کہ نقل کرنے والے نے کوئی کوتاہی نہیں کی لیکن دوسرے لوگ نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احرام قران تھا یہ روایت ظاہراً پہلی کے مخالف ہے اس لیے قران حج کی مستقل دوسری قسم ہے جو افراد کے علاوہ ہے لیکن حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی اختلاف نہیں اس لیے کہ قارن کے لیے لبیک بحجۃ کہنا بھی جائز ہے اب صرف مجتہدین کا کام رہ گیا ہے کہ دونوں کی طرح روایات کو سامنے رکھ کر ان میں جمع کی صورت پیدا کرے دونوں کے محمل مستقل قرار دے تاکہ تزاحم روایات سے خلجان نہ پیدا ہو۔ اسی قبیل سے نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا ابتدا احرام ہے اس بارہ میں روایات مختلفہ واقع ہوئی ہیں کہ حضور نے احرام کی ابتدا کس وقت فرمائی اور اسی اختلاف روایات کی وجہ سے ائمہ میں بھی اس امر میں اختلاف ہوا ہے کہ احرام کا باندھنا کس وقت افضل ہے۔ چنانچہ ان ہی مختلف روایات کی بنا پر سعید بن جبیر جو ایک بڑے تابعی ہیں انہوں نے حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباسؓ پر اس اختلاف روایات کا اشکال کرکے اس کا حل پوچھا ہے ابوداؤد میں یہ مفصل روایت موجود ہے جس کا مطلب خیز ترجمہ یہ ہے کہ سعید بن جبیر کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے یہ کہا کہ مجھے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اس اختلاف پر بہت بڑا تعجب ہو رہا ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابتدا احرام میں واقع ہوا نہ معلوم اس قدر اختلاف کیونکر ہو گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس کی اصلیت خوب معلوم ہے حقیقت یہ ہوئی تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چونکہ ہجرت کے بعد صرف ایک حج کیا ہے (وہ بھی آخر عمر میں اس لئے لوگوں کا مجمع بہت ہی زیادہ ہو گیا تھا جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس وقت جو کام کرتے دیکھا اسی کو اصل سمجھا) اس بنا پر اختلاف ہو گیا اس احرام کا قصہ یہ ہوا تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ نے سفر حج میں ذوالحلیفہ کو قیام گاہ بنا کر اس کی مسجد میں دوگانہ احرام ادا فرمایا تو اسی وقت احرام باندھ لیا تھا اس وقت جس قدر

Marfat.com

مجمع موجود تھا انہوں نے سُنا اور آئندہ کے لئے نقل کیا کہ ابتداء احرام دوگانہ کے بعد مسجد ہی میں ہوئی ہے اس سے فراغت پا کر پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی پہ سوار ہوئے جب اونٹنی آپ کو لے کر کھڑی ہوئی اس وقت آپ نے پھر باآواز بلند لبیک پڑھی اس وقت ایک بڑے مجمع نے دور تک سُنا جن لوگوں نے پہلے بھی سنا تھا ان کو معلوم تھا کہ یہ لبیک دوسری مرتبہ کی ہے لیکن جن حضرات نے یہی سُنی ہے انہوں نے یہی نقل کیا کہ حضورؐ نے اونٹنی پہ سوار ہونے کے بعد احرام کی ابتداء فرمائی مجمع کی کثرت کی وجہ سے نہ تمام مجمع میں حضورؐ کی آواز جا سکتی تھی نہ سب ایک یا دو مرتبہ میں حضورؐ سے مل سکتے تھے اس لئے جماعتوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تھے اور مسائل معلوم کرتے تھے۔ بالجملہ حضورؐ کی اونٹنی یہاں سے بیداء کی بلندی پر چڑھی حضورؐ نے (چونکہ حاجی کے لئے بلند مقام پر لبیک کہنا مستحب ہے اس لئے) وہاں بھی لبیک باآواز کہی اس وقت جو مجمع قریب ہو گیا تھا اس نے سُنا اور یہی کہا کہ حضورؐ نے بیداء پر احرام باندھا حالانکہ خدا کی قسم حضورؐ نے اپنے مصلے ہی پہ احرام باندھا تھا، البتہ لبیک سب جگہ کہی۔" انتہی چونکہ سعید بن جبیر نے مختلف روایات سُنیں اس لئے ان کو تحقیق کی ضرورت پیش آئی اور حسن اتفاق کہ عبداللہ بن عباسؓ اس سب قصہ سے واقف تھے۔ اس لئے نہایت وثوق سے قصہ حقیقی ابتداء بتلا دی اور چونکہ فقیہ اور مجتہد بھی تھے اس لئے ان سب روایات مختلفہ کے اختلاف کی وجہ اور ان کی جمع کی صورت بھی بتلا دی لیکن جس حاجی کے سامنے ان سب مختلف روایات کا صرف لفظی ترجمہ ہو وہ بیچارہ بحر تحیر و پریشانی کے اور کیا کر سکتا ہے لامحالہ پریشان ہو گا، اور مختلف الانواع اشکالات پیش آئیں گے، اسی لئے بالآخر حضرات غیر مقلدین کو بھی اپنے تشدد و تعصب کے باوجود تقلید سے مفر نہ ہوا، حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے "سبیل الرشاد" میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی رئیس غیر مقلدین کا قول ان کے رسالہ "اشاعۃ السنۃ" سے نقل کیا ہے کہ نمبر ۲ جلد ۱۱ کے صـ ۲۱۱ میں لکھتے ہیں۔

Marfat.com

کہ غیر مجتہد مطلق کے لئے مجتہدین سے فرار و انکار کی گنجائش نہیں اور نمبر ۲ جلد ۱۱ صہ ۵۳ پر لکھتے ہیں کہ پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لامذہب جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق و خروج تو اس آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے انتہی۔

اختلاف روایات کی پانچویں وجہ

بھی اسی کے قریب قریب ہے کہ نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو مختلف گروہ نے ایک کام کرتے ہوئے دیکھا بعض لوگوں نے اس فعل کو اتفاق خیال کیا، اس لئے امور طبعیہ عادیہ میں سمجھا، دوسرے بعض نے اس کو مقصود اور فعل ارادی خیال فرمایا انہوں نے اس کو سنت اور مستحب نقل فرمایا اس کی بہت سی امثلہ کتب حدیث کے ناظرین کو معلوم ہوں گی نمونہ کے طور پر حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام ابطح کو دیکھا جائے کہ اس سے کسی کو انکار نہیں کہ حضورؐ نے وہاں قیام فرمایا، حضرت ابوہریرہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے ہے کہ یہ بھی افعال مناسک حج سے ہے اور حاجی کے لئے وہاں کا قیام سنت ہے لیکن حضرت عائشہؓ اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ ہے کہ یہ قیام اتفاقی تھا اس کو مناسک حج سے کوئی سروکار نہیں، خدام نے وہاں خیمہ نصب کر دیا تھا اس لئے حضورؐ نے وہاں قیام فرمایا نیز مدینہ منورہ روانگی کے لئے بھی وہ سہل تھا کہ ادھر سے ادھر قافلہ کی روانگی بسہولت ہو جائے گی۔

یہاں اب مجتہد اور فقیہ کی ضرورت ہے کس کو انکار ہو سکتا ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ اس قیام کے متعلق دیگر صحابہ کی روایات اور آثار کو جمع کر کے ان دونوں

Marfat.com

قولوں میں سے کسی کو ترجیح دے۔ چنانچہ ائمہ نے ایسا ہی کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی بناء پر کہ منزلنا غدا انشاء اللہ بخیف بنی کنانۃ حیث تقاسموا علی الکفر۔ یعنی ہم کل انشاء اللہ خیف بن کنانہ میں منزل کریں گے جہاں ابتداء عہد نبوت میں کفار مکہ نے حضورؐ کی مخالفت پر آپس میں معاہدہ کیا تھا یہ الفاظ صاف بتلا رہے ہیں کہ اس جگہ قیام اتفاقیہ نہیں بلکہ قصداً شعار کفار کے موقع پر شعائر اسلام کے اظہار کا حکم تھا۔ اب اس کے ساتھ اگر اور مصالح بھی منضم ہو جاویں کہ مثلاً مدینہ منورہ کا راستہ بھی چونکہ اسی طرف کو ہے اس لیے واپسی میں سہولت ہو وغیرہ وغیرہ وہ اسکو مقتضی نہیں کہ وہاں قیام قصداً نہیں تھا۔

اختلاف روایات کی چھٹی وجہ

بسا اوقات روایات حدیث میں اختلاف علتِ حکم کے اختلاف کی وجہ سے بھی پیش آتا ہے۔ مثلاً یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے ایک کافر کا جنازہ قریب کو گذرا آپؐ فوراً کھڑے ہو گئے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان ملائکہ کی تعظیم کی وجہ سے کھڑے ہوئے تھے جو جنازہ کی ساتھ تھے۔ اس صورت میں مومن کا جنازہ اگر گذرے تو بطریق اولیٰ کھڑے ہونا چاہئیے۔ اور جن لوگوں کے نزدیک قیام کی یہ علت ہے وہ کافر کا لفظ روایت میں ذکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے اس لیے کہ ان کے نزدیک صاحب جنازہ کے کافر یا مسلمان ہونے کو اس میں دخل نہیں۔

لیکن دوسری بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس لئے کھڑے ہوئے کہ کافر کا جنازہ مسلمانوں کے سر سے اونچے کو نہ گذرے کہ اس میں مسلمانوں کی اہانت ہے۔ اس صورت میں قیام صرف کافر کے جنازہ کے ساتھ مخصوص تھا اور روایت میں کافر کے ذکر کرنے کی خاص طور سے

Marfat.com

ضرورت ہے۔

اسی طرح سے رافع بن خدیجؓ کہتے ہیں کہ بٹائی پر زمین دینا ہم لوگوں کے لئے نافع تھا مگر حضورؐ نے منع فرمایا اللہ و رسول کی اطاعت سب منافع پر مقدم ہے، عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ہم بٹائی پر زمین کا معاملہ کیا کرتے تھے، اور اس میں کچھ نقصان نہیں سمجھتے تھے، مگر جب رافع بن خدیجؓ نے یہ تبلایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا تھا ہم نے چھوڑ دیا۔

رافع بن خدیجؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ ہمارے چچا وغیرہ زمین بٹائی پر دیا کرتے تھے اس طرح پر کہ جو ڈول یعنی نالیوں کے قرب و جوار میں پیدا ہو وہ مالک کا مابقیہ کاشتکار کا، یا کوئی اور خاص حصہ زمین کا مستثنٰی کر لیتے تھے حضورؐ نے اس کو منع فرمادیا، کسی نے رافعؓ سے پوچھا کہ اگر روپیوں سے لگان مقرر کر کے دے انہوں نے کہا اس میں کوئی نقصان نہیں۔

لیکن ان سب کے خلاف عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے طاؤسؒ سے کہا کہ تم بٹائی پر زمین دینا چھوڑ دو صحابہؓ اس سے روکتے ہیں، انہوں نے کہا کہ مجھ سے اعلم الصحابہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تبلایا کہ حضورؐ نے اس کو منع نہیں فرمایا، بلکہ حضورؐ نے تو یہ ارشاد فرمایا تھا کہ زمین اپنے مسلم بھائی کو مفت کاشت کے لئے دے دے یہ بہتر ہے اس سے کہ اس پر کچھ معاوضہ لے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق اس ممانعت کی علت حسنِ سلوک ہے ایک مسلم کے ساتھ نہ کہ فقہی عدم جواز لیکن رافعؓ کے نزدیک ممانعت کی علت عدم جواز ہے، ایسی ہی کتب حدیث میں اس کی سینکڑوں مثالیں نکلیں گی، نہ احصار ہو سکتا ہے نہ مقصود، غرض یہ ہے کہ روایات میں بسا اوقات حکم کو کسی ایک روایت کرنے والے نے کسی علت پر محمول سمجھا۔ دوسرے روایت کرنے والے نے کسی دوسرے علت پر معلل سمجھا، وہ دونوں اپنی اپنی فہم کے موافق اس کو اسی طرح نقل فرمائیں گے جس طرح ان کے

Marfat.com

ذہن میں ہے، لیکن جس شخص کے سامنے دونوں طرح کی روایات ہیں اور اصول ووجوہ، وہ یقیناً ایک علت کو ترجیح دے کر کسی ایک روایت کو اصل قرار دے گا اور دوسری کے لیے کسی توجیہہ کی فکر کرے گا، مگر کون؟ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کے سامنے ہر ہر مضمون کی سینکڑوں روایات موجود ہوں ہر ہر حدیث کے مختلف الفاظ مستحضر ہوں۔ بخلاف اس شخص کے جس کے سامنے صرف ایک ہی حدیث کا ترجمہ ہو نہ اس کو دوسری حدیث کا تعارض کا علم نہ وجوہ ترجیح کی خبر، وہ کیا علت کے رجحان کو سمجھ سکتا ہے اور کیا کسی حدیث کو ترجیح دے سکتا ہے۔

اختلاف روایات کی ساتویں وجہ

روایات حدیث کے اختلاف کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ بہت سے الفاظ کلام میں لیسے مستعمل ہوتے ہیں جن کے لغوی معنیٰ بھی مستعمل ہیں اصطلاحی بھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معنیٰ کے لحاظ سے کوئی کلام ارشاد فرمایا۔ جس کو بعض سننے والوں نے دوسرے معنیٰ میں استعمال سمجھا، اس کی ایک دو مثالیں نہیں، سینکڑوں نہیں، ہزاروں بلکہ لاکھوں ملیں گی، مثلاً وضوء کا لفظ اصطلاحی معنیٰ کے لحاظ سے متعارف وضوء کے معنیٰ میں ہوتا ہے لیکن معنیٰ لغوی کے لحاظ سے لطافت، ستھرائی، پاکیزگی اور ہاتھ دھونے کے معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے شمائل ترمذی کی روایت ہے کہ سلمان فارسیؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ کھانے کے بعد وضوء کرنا برکت طعام کا سبب ہے، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ کھانے سے قبل اور کھانے کے بعد دونوں وقت وضوء کرنا برکت طعام کا سبب ہے، اس جگہ پر سلمانؓ کے کلام میں بھی اور حضورؐ کے ارشاد میں بھی وضوء کا لفظ بالاتفاق ہاتھ دھونے کے معنیٰ میں ہے۔

ایسے ہی ترمذی شریف میں عکراش کی ایک طویل حدیث ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ اس کھانے سے فراغت پر پانی لایا گیا حضورؐ نے اپنے دست مبارک

Marfat.com

دھوکر ہاتھوں کو منہ پر اور بازوؤں پہ پھیر لیا۔ اور فرمایا کہ یہ کہ اِسی آگ کی پکی ہوئی چیزوں سے جو وضوء کا حکم ہے وہ یہی وضوء ہے۔ روایت اگرچہ متکلم فیہ ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس حدیث میں وضوء اصطلاحی مراد نہیں۔

ایسے ہی جمع الفوائد میں بروایت بزار نقل کیا ہے۔ حضرت معاذ سے کسی نے پوچھا کہ تم آگ کی پکی ہوئی چیزوں سے وضوء کیا کرتے تھے انہوں نے فرمایا کہ ہاتھ منہ دھو لیتے تھے اور اس کو ہی وضوء سے تعبیر کیا کرتے تھے انہی روایات کی بناء پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ آگ کی پکی ہوئی چیزوں کے بارہ میں جہاں جہاں روایات حدیث میں وضو کا حکم آیا ہے اس سے یا وضوء لغوی مراد ہے یا وہ حکم منسوخ ہے۔

اسی طرح حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ بعض اعضاء وضوء کو دھو کر یہ ارشاد فرمایا کہ ھذا وضوء من لم یحدث یہ اس شخص کا وضوء ہے جو پہلے سے باوضوء ہو۔ اب یقینی امر ہے کہ بعض اعضاء کے دھونے کو شرعی وضوء نہ کہا جائے گا، یہ مثال کے طور پر وہ مواضع گنوائے ہیں جہاں قطعاً وضوء اصطلاحی نہیں۔ جس سے یہ امر ظاہر کرنا ہے کہ لفظ وضوء اور ایسے ہی بعض دیگر الفاظ بھی معنیٰ لغوی و اصطلاحی دونوں میں استعمال ہوتے ہیں، اب اختلاف کا سبب اس سے خود واضح ہو جائے گا کہ بسا اوقات ایسی صورت بھی پیش آئے گی کہ ایسے مواقع میں بعض نقل کرنے والے اس کو وضوء اصطلاحی پر حمل فرمائیں گے، وہ یقیناً توضیح کے لئے کوضوءہ للصلوٰۃ کا لفظ بھی اضافہ کریں گے۔ تاکہ اشتباہ کا محمل نہ رہے اور سننے والے کو خلجان نہ ہو۔ اور اس کے بالمقابل جس شخص کی تحقیق کے موافق یہ وضوء اصطلاحی نہیں بلکہ لغوی ہے وہ یقیناً اس ہاتھ منہ دھونے کی ساتھ نقل کرے گا۔ اسی خیال سے کہ سننے والے کو اشتباہ نہ ہو اور حدیث کے ساتھ اس کی تفسیر بھی ہو جاوے اب اس جگہ اختلاف

روایات بھی لابدی ہو گیا اور اس کی وجہ سے اختلاف صحابہ اور تابعین اور اس کے بعد اختلاف فقہاء بھی لازمی ہو گیا۔ یہی وجہ ہوئی کہ اول زمانہ میں آگ کی پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضوء کا واجب ہونا مختلف فیہ رہا لیکن آخیر دور میں اکر ائمہ کے زمانہ میں چونکہ روایات وضوء کے نہ توڑنے والی زیادہ تھیں اس لئے عدم وجوب کو ترجیح ہو گئی اور ائمہ اربعہ کا وضوء نہ ٹوٹنے پر اتفاق ہو گیا۔ لیکن سینکڑوں مسئلے ایسے ہیں کہ جن میں اس اختلاف کی وجہ سے ائمہ متبوعین اور اہل مذاہب میں اختلاف باقی رہا مثلاً مس ذکر کی وجہ سے وضوء کا حکم۔ حضور کا ارشاد ہے من مس ذکرہ فلیتوضاء جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے اس کو چاہیئے کہ وضوء کرے صحابہ تابعین اور ائمہ متبوعین اس میں مختلف ہیں کہ اس وضوء سے کونسی وضوء مراد ہے بعض کی رائے ہے کہ وضوء اصطلاحی مراد ہے اور بعض کی تحقیق ہے کہ وضوء لغوی مراد ہے ایسے ہی دوسرا اختلاف اسمیں یہ پیش آیا کہ بعض کے نزدیک چھونے کا لفظ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے مطلقاً ہاتھ لگانا مراد ہے دوسرے بعض کا خیال ہے کہ اس جگہ مس سے جس کے معنی چھونے کے ہیں پیشاب کرنا مراد ہے اس لئے کہ اس کے بعد میں استنجا سکھانے کے لئے ہاتھ سے چھویا جاتا ہے۔ اسی طرح وضوء کے حکم میں بھی اختلاف لازمی تھا اور ہوا کہ بعض حضرات نے اس کو وجوب پر حمل فرمایا اور ضروری خیال کیا چنانچہ وضوء کو واجب قرار دے دیا اور دوسرے بعض حضرات نے افضلیت اور استحباب پر حمل فرمایا کہ وضوء کو مستحب قرار دیا جس کو ہم آٹھویں نمبر پر ہم وضاحت سے بیان کریں گے اسی ہی قبیل سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ نماز کے سامنے کو عورت کتا اور گدھے کے گذرنے سے نماز قطع ہو جاتی ہے بعض سننے والوں نے اس کو اپنے ظاہر پر رکھا اور نماز قطع ہونے سے نماز کا حقیقتہً فاسد ہو جانا سمجھا اور ان کے نزدیک نماز فاسد ہو گئی۔ لیکن دوسرے بعض صحابہ اور اہل فقاہت لوگوں کی رائے ہے کہ نماز کے فساد کو ان چیزوں

Marfat.com

سے کوئی خاص تعلق نہیں اس لئے یقیناً اس کے حقیقی معنیٰ مراد نہیں بلکہ نماز قطع ہو جانے سے نماز کا خشوع قطع ہو جانا مراد ہے اس کے لئے ایک دو نہیں متعدد قرائن موجود ہیں جو اپنے اپنے مواقع پر مذکور ہیں۔ اختصاراً ہم نے ترک کر دیا۔

اختلاف روایات کی آٹھویں وجہ

جو ساتویں وجہ کے قریب ہے جس کی طرف اجمالاً اشارہ بھی گذر چکا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے کرنے کا حکم دیا یا کسی کام کی ممانعت فرمائی حکم ہر زبان میں مختلف الانواع ہوتا ہی ہے۔ بعض سننے والوں نے اس کو قطعی اور واجب الاطاعت قرار دیا ان کے نزدیک اس کام کا کرنا واجب اور ضروری بن گیا دوسرے بعض نے اس کو بہتری اور افضلیت کے لئے سمجھا۔ اور تیسری جماعت نے مثلاً صرف اجازت کا درجہ سمجھا۔ اسی قبیل سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وضو کے ساتھ ناک میں پانی ڈالنے کے بارہ میں ہیں کہ ایک جماعت نے ظاہر حکم کے لحاظ سے اس کو واجب قرار دیا۔ اور دوسرے گروہ نے اور قرائن کی وجہ سے اس کو افضلیت اور استحباب پر محمول فرمایا۔ ایسے ہی سو کر اٹھنے کے بعد وضو سے قبل ہاتھ دھونے کا حکم ایک گروہ کے نزدیک اپنے ظاہر پر ہے اور ہاتھ دھونا اس وقت واجب ہے دوسری جماعت کے نزدیک استحباب و سنیت کا درجہ ہے اور درحقیقت وجہ اختلاف زیادہ طویل البحث ہے اور اس کے رفع کے لئے بجز مجتہد اور فقیہ کے چارہ کار ہی نہیں اس لئے کہ مجرد حکم سامنے ہونے کی صورت میں ہر شخص مجبور ہے کہ اوامر اور دوسرے احکامات کو دیکھ کر رائے قائم کرے کہ یہ حکم کس درجہ کا ہے۔

اگر ایک حدیث میں التحیات میں بیٹھنے پر تشہد پڑھنے کا حکم ہے تو دوسری حدیث میں اقتلوا الاسودین فی الصلوۃ الحیۃ و العقرب نماز میں دو

Marfat.com

چیز سانپ اور بچھو کے قتل کرنے کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں حکم ایک درجہ کے نہیں اور اس ہی بنا پر خود ائمہ مجتہدین میں اس موقع پر زیادہ اختلاف ہوتا ہے کہ یہ امر وجوب کے لئے ہے یا استحباب وافضلیت کے لئے۔ اس ہی وجہ سے ائمہ میں اختلاف ہے کہ نماز میں تکبیرات انتقالات کا حکم رکوع وسجود میں اطمینان کا حکم۔ نیز ان میں تسبیحات کا حکم التحیات پڑھنے کا حکم یہ سب احکام وجوب کے لئے ہیں یا استحباب وافضلیت کے لئے ہر مجتہد نے رحمہم اللہ تعالیٰ نہایت جانفشانی اور عرق ریزی سے دوسری روایات حضورؐ کے افعال صحابہؓ کے افعال اور اصول ترجیح کو مدنظر رکھتے ہوئے ان میں تفریق فرمائی۔ اور ہر حکم کو اپنی تحقیق کے بعد اس کے موقعہ پر چسپاں کیا۔ یہاں محسوس ہوتا ہے کہ مجتہد کی کیوں ضرورت پیش آتی ہے اور تقلید بغیر کیوں چارہ نہیں۔ صرف بخاری شریف کے ترجمہ میں کسی کام کے کرنے کا حکم دیکھ لینے سے نہ وجوب معلوم ہو سکتا ہے نہ استحباب وجواز۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے حدیث پڑھنے کے لئے اصول فقہ اصول حدیث پہلے پڑھنا ضروری قرار دیا ہے کہ مجتہد کے لئے کم از کم علم قرآن یعنی اس کے احکام خاص عام مجمل مفسر محکم مؤول ناسخ منسوخ وغیرہ وغیرہ کو جانے اور علم حدیث سے کما حقہ واقف ہو کہ روایت کے مراتب متواتر غیر متواتر مرسل ومتصل صحیح ومعلل وضعیف قوی نیز رواۃ کے درجات کو جانتا ہو اس کے علاوہ لغات کا ماہر احکام نحویہ سے واقف ہو نیز اقوال صحابہ وتابعین سے واقف ہو کہ کس مضمون پر اجماع ہے اور کس میں اختلاف ان سب کے بعد قیاس کے انواع واقسام سے بھی واقف ہو۔

اختلاف روایات کی نویں وجہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار گوہر بار سے بسا اوقات بعض احکام

Marfat.com

تشحیذ اگلاذہان یعنی غور و فکر کے لئے صادر ہوتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ٹخنوں سے نیچے لنگی لٹکائے نماز پڑھتے دیکھا تو آپ نے وضو اور نماز کے اعادہ کا حکم فرمایا۔ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بُری طرح جلدی جلدی نماز پڑھی حضورؐ نے فرمایا کہ جاؤ ہٹ کر نماز پڑھو تمہاری نماز نہیں ہوئی وہ دوبارہ نماز پڑھ کر حاضر ہوئے حضور نے پھر یہی ارشاد فرمایا۔ تیسری دفعہ کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ مجھے سمجھا دیجئے میری سمجھ میں نہیں آیا۔ تو آپؐ نے اطمینان سے نماز پڑھنے کا طریقہ بتلایا۔ ایسے مواقع میں بھی اختلاف لازمی ہے کہ ہر سننے والا اس کو اپنے ہی محل پر چسپاں کرے یہ ضروری نہیں اس کی جزئیات اگرچہ زیادہ نہ ہوں لیکن اسباب اختلاف میں دخیل ضرور ہیں۔

اختلاف روایات کی دسویں وجہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر امت کے لیے نبی مرسل تھے تو خدام کے لئے طبیب جسمانی اور عشاق کے لئے طبیب روحانی اور رعایا کے لئے امیر بھی تھے اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماں باپ سے زیادہ شفیق و مہربان تھے تو استاذ و شیخ سے زیادہ تربیت و تہذیب فرمانے والے تھے اگر شفقت کے باب سے سینکڑوں احکام ملتے ہیں تو تشدید و تنبیہ کے طور پر بھی بہت سے ارشادات ملیں گے۔ یہ ایسے امور ہیں کہ جن میں ذرا بھی شائبہ اشکال و شبہ نہیں اس کی بداہت ہر شخص پر ظاہر ہے۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر اوامر و ارشادات جو ایک حیثیت سے وارد تھے دوسری حیثیت کے ساتھ ملتبس ہو جانے لازمی تھے اگرچہ یہ امور ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو مستقل وجہ قرار دے کر اس کو علیحدہ پیش کیا جاتا مگر مضمون بلا ارادہ طول پکڑتا جا رہا ہے گو اس کی اہمیت اس سے زیادہ تفصیل کی محتاج ہے مگر ناظرین کی بددلی کے

Marfat.com

خیال ہے جو طول کا اکثری نتیجہ ہوتا ہے ان سب وجوہ کو ایک ہی میں داخل کر دیا گیا ہے اختصار کے ساتھ چند امثلہ پر اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مستحاضہ یعنی جس عورت کو تسلسل خون کا عارضہ ہو حضور نے اس کے بارہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ ظہر عصر کے لئے ایک غسل کرے اور مغرب عشاء کے لئے دوسرا اور صبح کے لئے تیسرا۔ علماء کا اختلاف ہے کہ یہ غسل تشریعی ہے یا علاجی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرمگاہ کے چھونے پر وضوء کا بھی حکم ہے اور یہ بھی ارشاد ہے کہ وہ تو ایسے ہی گوشت کا جزء ہے جیسے اور اجزاء بدن، جسطرح اور کسی عضو کے چھونے سے وضوء واجب نہیں ہوتا اسی طرح یہ بھی ہے علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ یہ حکم عامۂ مسلمین کے لئے ہے اور پہلا حکم خاص ہے اکابر امت کے لئے اسی طرح بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے چھونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے دوسری بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وضوء نہیں ٹوٹتا علماء کے اس میں بھی مختلف اقوال ہیں اور مختلف وجوہ سے ان دونوں میں ترجیح یا جمع کیا گیا ہے علامہ شعرانی کی رائے یہاں بھی وہی ہے کہ ایک حکم اکابر امت کے لئے دوسرا عوام کے لئے ہے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جنگ میں ارشاد ہے (من قتل قتیلا فلہ سلبہٗ) جو کسی کافر کو قتل کر دے اس مقتول کے پاس جسقدر سامان ہے وہ اس قاتل کو مل جائے گا۔ ائمہ کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ حکم سیاسی اور انتظامی ہے حضورؐ نے بحیثیت بادشاہ کے یہ حکم فرمایا تھا لہذا امیر کو یہ اختیار ہے کہ جس جنگ میں مصلحت سمجھے اس کا اعلان کر دے دوسرے ایک گروہ کی رائے ہے کہ یہ حکم تشریعی ہے ہمیشہ کے لئے معمول بہ ہے امیر کے کہنے پر موقوف نہیں کتاب الجہاد کی ہزاروں حدیثیں اس اختلاف کی امثلہ ہے پڑی ہیں۔ ایسے ہی مزارعت کے بارہ میں اکثر روایات میں ممانعت کی وجہ مزدوروں پر شفقت ہے جو روایات دیکھنے والوں پر ظاہر ہے، اسی طرح باب الصوم میں بہت سے لوگوں کو کثرت سے روزہ رکھنے کی ممانعت ان پر شفقت سے تھی عبداللہ

بن عمرو کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا مجھے اس کی اطلاع ملی ہے کہ تم ہمیشہ دن بھر روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نفلیں پڑھتے ہو انہوں نے عرض کیا کہ بیشک حضورؐ نے فرمایا ایسا نہیں کرو کبھی روزہ کبھی افطار ایسے ہی رات کے بعض حصہ میں نوافل ادا کرو اور کچھ حصہ سو بھی رہا کرو۔ اس لئے کہ بدن کا بھی تم پر حق ہے۔ اس صورت میں تکان نہیں ہو گا اہل وعیال کا بھی حق ہے کہ ان کے لئے بھی کچھ وقت دن رات کا فارغ کرنا چاہیئے دوست احباب ملاقات کرنے والوں کا بھی حق ہے ہر مہینہ میں تین روزے ایک ماہ میں ایک ختم قرآن کافی ہے میں نے عرض کیا حضور اس سے تو بہت زیادہ طاقت ہے مکرر سہ کرر عرض کرنے پر ارشاد فرمایا کہ اچھا بس صوم داؤدی سے زیادہ کی اجازت نہیں کہ ایک دن روزہ ایک دن افطار اسی طرح قرآن شریف کہ سات راتوں سے کم میں ختم کی اجازت نہیں فرمائی۔ اس روایت کے الفاظ کتب حدیث میں کچھ مختلف وارد ہوئے ہیں اس حدیث کے موافق جس کو مشکوٰۃ میں بخاری مسلم کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے دائماً روزہ کی ممانعت اور ابتداً اسی طرح صوم داؤدی پر زیادہ کی ممانعت آخر حدیث میں ان پر شفقت کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے اسی لئے عبداللہ بن عمرو اپنے ضعف و پیری کے زمانہ میں افسوس کیا کرتے تھے کہ اسوقت میں حضور کی رخصت کو قبول کرتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ اسی طرح تنبیہ و تشدد کے قبیل سے بہت سے ارشادات کتب حدیث میں ملتے ہیں حضور کا ارشاد ہے کہ لا صام من صام الدھر جو عمر بھر روزہ رکھتا ہے اس کا کچھ روزہ نہیں۔ ایک جماعت کے نزدیک یہ ارشاد تنبیہ اور ڈانٹ کے طور پر ہے یہ مطلب نہیں کہ اس کو روزہ کا ثواب نہیں ہو گا۔ یا اس کا روزہ ہی سرے سے نہ ہو گا۔ اسی طرح حضورؐ کا ارشاد کہ زانی زنا کے وقت مومن نہیں ہوتا اور سارق سرقہ کے وقت مومن نہیں ہوتا۔ اسی طرح حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شراب پیوے چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ (تلك عشرة كاملة)

Marfat.com

مثال کے طور پر یہ چند وجوہ بیان کی گئی ہیں ورنہ ان میں انحصار نہیں صرف اس امر کو ظاہر کرنا تھا کہ روایات میں اختلاف کی حقیقۃً وجوہ ایسی ہیں کہ جن کی وجہ سے اختلاف لازمی تھا اور ہونا چاہیئے ہی تھا وجوہ اختلاف نہ کسی مختصر تحریر میں آسکتی ہیں نہ مجھ سے بے بضاعت کے امکان میں ان کا انحصار ہے مقصود ان اوراق سے اجمالاً حاصل ہو گیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ارشادات کا اختلاف فی الواقع موجب ہے اور اس کے وجوہ کثیرہ میں سے مثال کے طور پر یہ چند وجوہ ہیں جو ذکر کر دی گئیں اسکے بعد مجھے یہ دکھلانا ہے کہ دوسرے دور میں یعنی صحابہؓ کے زمانہ میں ان وجوہ بالا کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی وجوہ پیش آئیں کہ ان کے لئے اختلاف روایات لازمی تھا۔ اور مثال کے طور پر اس کی بھی چند نظیریں ہدیۂ ناظرین کرنی ہیں مگر اس جگہ پر ایک فضول اشکال پیش آتا ہے۔ اس لئے اول اس کو ذکر کرتا ہوں اس کے بعد دوسرا دور شروع کروں گا۔

یہاں ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ تعلیم امت ہی کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور یہی بڑی غرض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے وابستہ تھی۔ تو آپ نے جملہ احکام شرعیہ کو مفصل و واضح ممتاز حالت میں کیوں نہ ارشاد فرمادیا جس سے یہ اُلجھن ہی یکسر اٹھ جاتی اور کسی قسم کی خلش ہی باقی نہ رہتی، ظاہری صورت میں تو یہ اشکال بہت ہی واضح ہے لیکن حقیقت میں نہایت ہی مہمل خدشہ ہے جو احکام شرعیہ پر قلت نظر سے وارد ہوتا ہے اور فی الواقع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمت کے حال پر نہایت درجہ کرم اور شفقت تھی کہ ان معمولی فروعی مسائل کا ایسا انضباط نہیں فرمایا کہ جن کی وجہ سے اُمت کو تنگی پیش آئے بلکہ احکام دینیہ کو دو حصوں پر منقسم فرمادیا ایک وہ احکام ہیں کہ جن میں غور و خوض و بحث و مباحثہ غیر پسندیدہ قرار فرمادیا دوسرے وہ احکام ہیں جن میں اختلاف کو رحمت کا سبب قرار دیا اور سہولت

Marfat.com

امت کے لئے ہر فعل کو خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو باعث اجر قرار دے دیا بشرطیکہ محض لاپرواہی سے غلط روی اختیار نہ کی ہو دوسرے الفاظ میں یہ سمجھنا چاہیئے کہ شریعت نے احکام کو دو طریقوں پر منقسم کر دیا ایک قطعی جن میں کرنے والوں کے فہم و سمجھ کو دخل نہیں رکھا جو واضح الفاظ میں بیان فرما دیئے اور ان میں توجیہہ و تاویل کی بھی گنجائش نہیں رکھی۔ تاویل سے بھی انحراف کرنے والے کو خاطی و گمراہ قرار دیا۔ دوسرے وہ احکام ہیں جن میں شریعت نے تنگی نہیں فرمائی بلکہ اس میں امت کے ضعف پر نظر فرماتے ہوئے اُمت کی سہولت کو مدنظر رکھا اور اس میں توجیہہ تاویل کی وجہ سے عمل نہ کرنے والوں کو خاطی اور بد دین سے تعبیر نہیں فرمایا۔ قسم اول کو اعتقادیات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قسم ثانی کو جزئیات فرعیات شرعیات وغیرہ وغیرہ اسماء سے پکارا جاتا ہے اس دوسری نوع میں حقیقۃ الامر یہ ہے کہ شریعت نے اس میں خود ہی تنگی نہیں فرمائی۔ اس لیئے اس کو تفصیل کے ساتھ کہ ارکان و واجبات وغیرہ خود شارع کی جانب سے ممیز و مفصل ہو جاتے تو یہ بھی نوع اول میں داخل ہو کر امت کے لئے سخت تنگی کا سبب ہو جاتا اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت بھی اختلاف سے خلو مشکل ہوتا۔ اسلیئے کہ وہ حقائق سب کے سب الفاظ ہی کے ذریعہ سے ارشاد فرمائی جاتیں۔ اور الفاظ میں پھر مختلف محامل نکلنا قریب تھا۔ الغرض شریعت مطہرہ نے احکام کو اصول و فروع دو امر میں منقسم فرما کر امر اول میں اختلاف کی سختی سے ممانعت فرمادی چنانچہ آیت مقدسہ شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحاً و ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ الآیۃ میں اختلاف فی الدین کی ممانعت ہے اور قسم دوم میں اختلاف کو امت کے لئے رحمت کا سبب قرار دیا۔ اور اسی وجہ سے اس نوع کے اختلافات میں جس کے سینکڑوں واقعات نبوی دور مقدس میں گذرے ہیں اتشدد نہیں فرمایا امثلہ کے طور پر دو واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہوں کہ نسائی نے طارق کے واسطے سے دو صحابہ کا قصہ نقل فرمایا کہ وہ دونوں جنبی ہوئے ان میں سے

Marfat.com

ایک نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے نماز نہیں پڑھی (غالباً تیمم کا نزول اس وقت نہیں ہوا ہوگا یا ان کو نہیں پہنچا ہوگا) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصویب فرمائی۔ دوسرے صحابی نے تیمم سے نماز ادا فرمائی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بھی تصویب فرمائی۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو قبیلہ بنو قریظہ میں نماز عصر پڑھنے کا حکم فرمایا اس پر عمل کرنے والوں میں سے بعض نے وہاں عصر پڑھنے کے حکم کو اصل قرار دیا اور راستہ میں نماز نہ پڑھی اگرچہ نماز کو تاخیر ہوئی مگر ان لوگوں نے ظاہری امتثال امر کو ضروری خیال فرمایا۔ دوسری جماعت نے اسی امر کا حقیقی مقصد بعجلت پہنچنا سمجھ کر راستہ میں عصر کی نماز اپنے وقت پر ادا فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فریق پر اعتراض نہیں فرمایا، بخاری میں یہ مفصل قصہ موجود ہے اسیطرح کے اور بہت سے واقعات ہیں بالجملہ فرعی اختلاف اور چیز ہے اور اصولی اختلاف اور ہے جو لوگ اس اختلاف اصولی اختلاف کے مشابہ سمجھ کر ایسی روایات وآیات کو اس پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں جو اختلاف مذموم کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں وہ ان کی ناواقفیت یا دھوکہ دہی ہے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ شریعت مطہرہ نے اس فرعی اختلاف میں بڑی وسعت وسہولت رکھی ہے اگر یہ صورت نہ ہوتی تو امت کے لئے اس قدر تنگی پیش آجاتی کہ تحمل سے باہر ہو جاتا۔ اسی وجہ سے ہارون رشید نے جب بھی امام مالک سے یہ درخواست کی کہ وہ موطا امام مالک کو بیت اللہ شریف پر لٹکا کر امت کو اس پر عمل کا امر کر دیں تاکہ افتراق نہ رہے تو امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی بھی اس کو قبول نہیں فرمایا اور ہمیشہ یہی جواب دیا کہ صحابہ مسائل فرعیہ میں مختلف ہیں اور وہ سب مصیب ہیں بلاد متفرقہ میں دونوں کے اقوال ومسالک معمول بہا ہیں ان کو رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ایسے ہی جب منصور نے حج کیا اور امام مالکؒ سے درخواست کی کہ آپ اپنی مؤلفات مجھے دیجئے تاکہ میں ان کی نقلیں بلاد اسلامیہ میں شائع کر دوں۔ اور مسلمانوں کو حکم کر دوں کہ ان سے متجاوز نہ ہوں تو آپ نے فرمایا!

Marfat.com

کہ امیر المومنین ایسا ہرگز نہ کیجئے لوگوں کے پاس احادیث و اقوالِ صحابہ پہنچے ہوئے ہیں وہ ان پر عامل ہیں ان کو اسی کے موافق عمل کرنے دیجئے یہی منشا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ میری امت کا اختلاف رحمت کا سبب ہے اور یہی وہ کھلی رحمت ہے جو آنکھوں سے نظر آتی ہے آج ہر امام کے نزدیک مختلف فیہ مسائل میں دوسرے کے مذہب پر شرعی ضرورت کی وجہ سے فتویٰ دینا جائز ہے لیکن اگر یہ اختلاف نہ ہوتا تو کسی ضرورت سے بھی اجماعی اور متفق علیہ مسئلہ کو چھوڑنا جائز نہ ہوتا۔ غرض حقیقۃ میں اختلاف آئمہ شرعاً مطلوب ہے جس میں ایک ہی فائدہ نہیں جو مذکور ہوا اس کے علاوہ بھی بہت سے فوائد مستتر ہیں جو اگر وقت نے مساعدت کی تو انشاء اللہ دور ثالث کے ابحاث میں آئیں گے اس وقت یہ بحث مقصود نہیں یہاں صرف اسی قدر ضروری تھا جن لوگوں کی مسائل فقہیہ پر کچھ بھی نظر ہے وہ اس مفاد کو بہت ہی سہولت سے سمجھ سکتے ہیں،

علامہ شعرانی اپنی کتاب المیزان میں تحریر فرماتے ہیں کہ عزیز من اگر تو بنظر انصاف دیکھے گا تو یہ حقیقت واضح اور منکشف ہو جاوے گی کہ ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین سب کے سب طریق ہدایت پر ہیں اور اس کے بعد کسی امام کے کسی مقلد پر بھی اعتراض کا خیال نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ امر ذہن نشین ہو جاوے گا کہ ائمہ اربعہ کے مسالک شریعت مطہرہ میں داخل ہیں اور ان کے مختلف اقوال امت کے لئے رحمت ہو کر نازل ہوئے حق تعالیٰ شانہ جو علیم و حکیم ہیں ان کی مصلحت اسی امر کو مقتضی تھی حق سبحانہ تعالیٰ اگر اس کو پسند نہ فرماتے تو اس کو بھی اسی طرح حرام قرار دیتے جس طرح کہ اصل دین میں اختلاف کو ممنوع قرار دیا۔ عزیز من مبادا تجھ پر یہ امر مشتبہ ہو جاوے کہ تو ائمہ کے فرعی اختلاف کو اصولی اختلاف کے مشابہ اور اس کے حکم میں سمجھنے لگے جس کی وجہ سے تیرا قدم میدان ہلاکت میں پڑ جاوے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اُمت کے لئے اختلاف فرعی کو رحمت قرار دیا ہے۔

Marfat.com

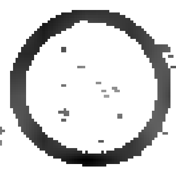
درحقیقت ائمہ کے جملہ اقوال مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں صرف اختلاف اور فرق ائمہ کے اقوال میں آتا ہے کہ کسی حکم شرعی کے متعلق ایک امام نے اصل حکم اور عزیمت کو اختیار کیا دوسرے نے رخصت کو راجح سمجھا اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ائمہ کے اقوال میں تخییر کا قائل ہوں کہ جس شخص کا دل چاہے اصل عزیمت پر عمل کرلے اور جس کا دل چاہے رخصت کو اختیار کرلے جیسا کہ بعض طلباء کو میرے کلام سے دھوکا ہوگیا نہیں نہیں ایسا نہیں کہ یہ تو دین کو کھلونا بنانا ہے بلکہ ہر امام نے ان دو طریقوں میں سے ایک کو اختیار کیا ہے لیکن جو مختار ہے وہ اس کے مقلدین کے لئے وجوبی طریقہ ہے۔
میں نے یہ جو کچھ رائے قائم کی ہے ائمہ کے ساتھ محض حسن ظن پر قائم نہیں کرلی بلکہ ہر امام کے اقوال اور ان کے ماخذ اور مستدلات کے تتبع کے بعد اختیار کی ہے جس شخص کو اس کا یقین نہ آوے وہ میری کتاب المنہج المبین فی ادلۃ المجتہدین دیکھے اس وقت اس کو میری تصدیق ہو جاوے گی میں نے اس میں ہر امام کے مستدلات کو جمع کیا ہے۔ اور اس کے بعد یہ رائے قائم کی ہے وہ سب ہدایت پر تھے۔ اور اصل حقیقت یہ ہے کہ جب تک کسی شیخ کامل کی فیض صحبت سے منازل سلوک طے نہ کئے جاویں یہ حقیقت کماحقہٗ منکشف نہیں ہوتی پس اگر تو بھی اس کا مزہ چکھنا چاہے تو کسی کامل کے پاس جاکر ریاضت کرتا کہ اس کی حقیقت واضح ہو جائے۔ میں اس امر میں کچھ من گھڑت نہیں کہتا مشائخ کے کلام سے اس کی تائید ہے۔ چنانچہ شیخ المشائخ محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ:

آدمی جب کسی خاص مذہب کا پابند ہو کر مقامات میں ترقی کرتا ہے تو منتہا پر وہ ایسے دریا پر پہنچتا ہے جس سے سب ائمہ بھر رہے ہیں اس وقت اس کو جملہ ائمہ کے مذاہب حق ہونے کا یقین ہو جاتا ہے اور اس کی مثال بعینہٖ رسل کی سی ہے کہ حضرت وحی کا مشاہدہ ہوتا ہے اس وقت تمام شرائع کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔
انتہی ملخصاً۔

Marfat.com

علامہ شعرانی کا یہ نفیس مضمون جو تقریباً سو صفحہ پر ختم ہوا ہے آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے در حقیقت اس مقصد میں بے حد نافع اور مفید تمام مضمون مستقل ترجمہ کر کے شائع ہونے کے قابل ہے۔

مجھے اس جگہ پر اشارۃً صرف اس قدر بیان کرنا مقصود ہے کہ در حقیقت یہ اختلاف ائمہ جو بادی الرائے میں افتراق معلوم ہوتا ہے حقیقتاً افتراق نہیں اور جس درجہ میں ہے اس میں رہنا ایک نہایت ہی لابدی امر ہے جس کا عدم بھی امت کے لئے سخت تنگی کا سبب ہے۔ اور چونکہ اختلاف ثمرہ ہے اختلاف روایات واحادیث کا اس لئے ان میں بھی دینی مصلحت اسی کی مقتضی تھی کہ ان کو اجمالی حالت میں اتارا جائے اگر وہ حقائق شرعیہ عقائد کی طرف سے قطعی طور پر نازل کئے جاتے تو اختلاف ائمہ کی گنجائش نہ رہتی۔ اور اس وقت اختلاف گمراہی کا سبب ہوتا اور عدم اختلاف امت کے لئے تنگی کا باعث ہوتا لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہر شخص اپنی اپنی سمجھ کے موافق نصوص سے استنباط اور اخذ کرے خواہ اس کی قابلیت رکھتا ہو یا نہیں کہ یہ سخت گمراہی کا سبب بن جاتا ہے اور یہ اختلاف بھی ممدوح نہیں بلکہ ممدوح اختلاف وہی ہے جو شرعی قواعد اصول کے ماتحت ہو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل جنابت کے قصہ میں محض اپنی سمجھ کے موافق استنباط کرنے والوں کو جہل سے تعبیر فرمایا ہے فلله الحمد على ما يسر لنا الدين فانه لطيف خبير رءوف بعباده بصير۔



اختلاف روایات کا دوسرا دور

ان وجوہ کے علاوہ جو دور اول میں گذر چکے ہیں صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں اور بھی مخصوص وجوہ واسباب ایسے پیش آئے کہ جن کی وجہ سے روایات حدیث میں

Marfat.com

اختلاف ہوا اور ہونا لازمی تھا جس کی بڑی وجہ روایات بالمعنی بھی یعنی صحابہ اور تابعین کے ابتدائی دور میں روایت باللفظ کا اہتمام نہیں تھا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو اپنے الفاظ میں نقل کر دیا جاتا تھا کما فی مصنف عبد الرزاق عن ابن سیرین قال کنت اسمع الحدیث من عشرۃ کلھم یختلف فی اللفظ والمعنی واحد ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے ایک ہی حدیث کو دس مشائخ سے سنا جس کو ہر ایک نے مختلف الفاظ سے روایت کیا اور معنی ایک تھے علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں ابو حاتم کا یہ مقولہ نقل کرتے ہیں۔ ولم ار من المحدثین من یحفظ و یاتی بالحدیث علی لفظ واحد لا یغیرہ سوی قبیصۃ یعنی قبیصہ کے سوا میں نے کسی محدث کو ایسا نہیں پایا کہ وہ الفاظ حدیث کو بعینہٖ ذکر کر دے۔

علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں اس بحث کو مفصل لکھا ہے جس میں علماء کے فن کا اختلاف بھی اس بارہ میں نقل کیا ہے کہ روایت بالمعنی جائز ہے یا نہیں لیکن ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ ان شرائط کے ساتھ جو روایت کرنے والے کے اندر موجود ہونی ضروری ہیں روایات بالمعنی جائز ہے طبرانی اور ابن مندہ کی ایک حدیث سے اس کے جواز پر استدلال کیا ہے جس میں عبد اللہ بن سلیمان کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ استفسار نقل کیا ہے کہ میں جن الفاظ کو حضور سے سنتا ہوں اس کے بعینہٖ نقل پر قادر نہیں ہوں حضورؐ نے اگر معنی پورے ہو جاویں تو لفظ بدلنے کی صورت میں روایات کی اجازت فرمائی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ پورے لفظ یاد رہنے بھی مشکل ہیں اسی وجہ سے مکحول نے جب واثلہ بن الاسقع سے یہ درخواست کی کہ مجھے کوئی ایسی حدیث سنا دیں جو آپ نے حضورؐ سے سنی ہو اور اس میں کسی قسم کا وہم کسی قسم کی کمی زیادتی بھول چوک نہ ہوئی ہو

Marfat.com

تو انہوں نے پوچھا کہ تم میں سے کوئی قرآن شریف پڑھا ہوا ہے مکحول نے عرض کیا کہ ایسے جید حافظ نہیں کہ کوئی غلطی واقع نہ ہو ابن یزید آنکہ نے فرمایا کہ کلام اللہ شریف جو تم لوگوں کے پاس لکھا ہوا محفوظ ہے غایت درجہ اس کے الفاظ کے حفظ کا اہتمام کیا جاتا ہے اس میں بھی "واؤ اور فا" کی غلطی رہ جاتی ہے پھر حدیث نبوی اس طریق پر کس طرح سُنائی جا سکتی ہے حالانکہ بعض احادیث کو ایک ہی مرتبہ سُننے کی نوبت آئی ہے روایت حدیث میں معانی نبویہ کا ادا ہو جانا ہی کافی سمجھا کرو۔

وکیع سے منقول ہے کہ اگر معنیٰ ادا ہو جانے میں وسعت نہ دی جاتی تو امت ہلاک ہو جاتی۔ ابن العربی کی رائے ہے کہ روایت بالمعنیٰ صرف صحابہ ہی کے لئے جائز ہے اور کسی کو جائز نہیں مگر قاسم بن محمد ابن سیرین حسن۔ زہری۔ ابراہیم شعبی وغیرہ جماعت نے اس کے جواز کو بشرائط مخصوصہ عام رکھا ہے۔ یہی اصل سر ہے اس امر میں کہ تابعین کی ایک بڑی جماعت روایت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت نہیں فرماتی تھی بلکہ مسئلہ کے طور پر اس حدیث کو حکم شرعی کے تحت میں بیان فرماتے تھے اور منجملہ اور وجوہ کثیرہ کے ایک بڑی وجہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت فرما کر بیان نہ کرنے کی یہ بھی ہے اور چونکہ الفاظ بدلنے کی صورت میں حضور کی طرف نسبت کر کے روایت کرنا سخت خطرناک ہے کہ مبادا غلطی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط انتساب کی وعید شدید میں دخول نہ ہو جاوے اس لئے اکابر علماء ہمیشہ حضور کی طرف نسبت سے بچتے تھے اس لئے کہ کسی قسم کا سہو غلطی یا غلط فہمی یا خطا کا اس میں دخل نہ ہو سکے یہ دشوار امر ہے اسی وجہ سے عبد اللہ بن مسعود جیسا جلیل القدر صحابی۔ وہ شخص جن کے بارے میں ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ ان کی حضورؐ کے یہاں اس قدر آمد و رفت تھی

Marfat.com

کہ تم ان کو گھر والوں میں سے سمجھتے تھے وہ شخص جن کے لئے حضورؐ نے اپنے راز کی باتیں سننے کی بھی اجازت فرما رکھی تھی وہ شخص جن کو حضورؐ نے اپنی حیات میں تدریس قرآن و حدیث کا مدرس بنایا، وہ شخص جن کے بارہ میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اگر میں بلا مشورہ کسی کو امیر بناتا تو ابن مسعود کو بناتا۔ وہ شخص جن کو حضورؐ نے بلا روک ٹوک آنے کی اجازت دی رکھی تھی۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے علمی فضائل جس کثرت سے وارد ہیں وہ بہت کم عام طور سے دوسرے صحابہ کے ہوں گے، اسی وجہ سے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے فقہ کے لئے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کو خاص ماخذ قرار دیا جس کو ہم اپنے موقع پر انشاء اللہ وضاحت سے بیان کریں گے اس وقت یہ بتلانا ہے کہ ان کثرت فضائل اور کثرت علوم اور کثرت احادیث کے باوجود عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث کی نسبت حضور کی طرف بہت کم کیا کرتے تھے ابو عمرو شیبانی کہتے ہیں کہ میں ایک سال تک عبد اللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر رہا میں نے ان کو حضورؐ کی طرف نسبت کر کے حدیث فرماتے نہیں سنا اگر اتفاقاً کبھی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہدیتے تو بدن پر لرزہ ہو جاتا تھا۔ حضرت انسؓ جو حضور کے خاص خادم رہے ہیں کہتے ہیں کہ اگر مجھے خطا اور غلطی کا ڈر نہ ہوتا تو میں ایسی بہت سی احادیث سناتا جو میں نے حضور سے سنی ہیں لیکن مجھے خوف ہے کہ کہیں میں داخل وعید نہ ہو جاؤں حضرت صہیب صحابی فرماتے ہیں کہ ان غزوات کے قصے جو حضور کی معیت میں ہوئے ہیں بیان کر دوں گا۔ لیکن اس طرح یہ کہ حضورؐ نے ایسا کہا یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا وغیرہ وغیرہ۔ بہت سے واقعات ہیں جن سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا حضورؐ کی طرف نسبت کر کے بیان نہ کرنا معلوم ہوتا ہے۔ انشاء اللہ ذرا بسط کے ساتھ اس جگہ نقل کروں گا جہاں امام صاحب رضی اللہ عنہ کی قلت حدیث پر بحث کرنی ہوگی اس

Marfat.com

جگہ ان واقعات کے مجملاً ذکر سے اتنا مقصد ہے کہ روایت بلفظہ چونکہ مشکل تھی اس لئے روایت بالمعنیٰ نقل کی جاتی تھی اور اسی وجہ سے اجل صحابہ حضور کی طرف نسبت کم فرماتے تھے اور جب روایات کا بالمعنیٰ ہونا ثابت ہو گیا تو اس کے لئے اختلاف لابدی اور ناگزیر ہے کہ تعبیرات مختلفہ سے روایت میں اختلاف ہوتا ہی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور کے وصال کے بعد جو خطبہ پڑھا اس میں احادیث نقل کرنے کی ممانعت فرمادی کہ یہ امت میں اختلاف کا سبب ہوگا۔

دورِ ثانی کی دوسری وجہ

صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں اختلاف روایات کی وجہ یہ بھی پیش آئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حکم ارشاد فرمایا تھا اس وقت کے حضارؓ نے اس کو سنا اور سمجھا لیکن بعد میں وہ منسوخ ہو گیا۔ مگر اول مرتبہ کے حاضرین میں سے بعض لوگ اس وقت موجود نہیں تھے وہ اسی طرح نقل فرماتے رہے چنانچہ متعدد روایات سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ شریف پر مسح فرمانا معلوم ہوتا ہے لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مؤطا میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہمیں جہاں تک پہنچا ہے عمامہ پر مسح کرنا ابتدا ر اسلام میں تھا پھر یہ حکم باقی نہیں رہا ایسے ہی ابو سعید خدریؓ حضورؐ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ جمعہ کا غسل ہر بالغ شخص پر واجب ہے لیکن ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم ابتدائی زمانہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ لوگ خود ہی محنت مزدوری کرتے تھے، تنگ حالی کی وجہ سے ملازم وغیرہ رکھنے کی ہمت نہیں تھی اور اُون وغیرہ کے موٹے کپڑے پہنتے تھے تو محنت کے وقت پسینہ وغیرہ کی وجہ سے وہ سب بودار ہو جاتے تھے اور نیز مسجد بھی تنگ تھی جس کی وجہ سے جب مسجد میں سب کا اجتماع ہوتا تھا تو پسینہ کی بو نمازیوں کے

Marfat.com

لیے تکلیف دہ ہوتی تھی اس وجہ سے غسل اور خوشبو کے استعمال کا حکم فرمایا تھا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے وسعت فرمادی اور مسجد میں توسیع ہو گئی لہٰذا اب وہ حکم نہیں رہا۔ اسی قبیل سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات ہیں جن سے آگ سے پکی ہوئی چیزوں سے وضو ٹوٹنا معلوم ہوتا ہے لیکن حضرت جابرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل آگ کی پکی ہوئی چیزوں سے وضو نہ فرمانا تھا۔ یہ صاف طور پر بتلا رہا ہے کہ وضو کا حکم منسوخ ہے لیکن امام ابوداؤدؒ کے نزدیک حضرت جابرؓ کی حدیث کا یہ مطلب نہیں اسی وجہ سے ہم ایک جگہ دوسرا قول بھی نقل کر چکے ہیں جن کے نزدیک آگ سے پکی ہوئی چیزوں میں وضو سے مراد وضوءِ لغوی یعنی ہاتھ منہ دھونا ہے نہ کہ مصطلح وضوء۔

دور ثانی کی تیسری وجہ "سہو"

اس پر علماء کا اجماع ہے کہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں یعنی معتبر راوی ہیں۔ ان کی جرح اور تضعیف نہیں کی جاسکتی چنانچہ اصابہ میں اہل سنت کا اس پر اجماع نقل کیا ہے لیکن سہو و نسیان وغیرہ لوازمات بشریہ سب کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، اس لئے نقل میں سہو ہو جانا بھی ممکن ہے اور اسی وجہ سے روایت پر عمل کرنے والے کے لئے منجملہ اور ضروریات کے یہ بھی اہم ہے کہ اس روایت کو اسی نوع کی دوسری روایات سے ملا کر دیکھیں کہ ان کے مخالف تو نہیں، اگر مخالف ہے تو وجہ مخالفت کی تنقیح کرے اس نوع کی امثلہ کتب حدیث میں سینکڑوں ملیں گی۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب میں عمرہ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب اس امر کو سنا تو فرمایا کہ ابن عمر بھول گئے۔ حضورؐ نے کوئی عمرہ رجب میں نہیں کیا۔ عمران بن حصینؓ کا مقولہ میں پہلے نقل کر چکا ہوں وہ فرماتے ہیں کہ واللہ مجھے

Marfat.com

اس قدر احادیث یاد ہیں کہ اگر دو روز تک برابر روایت کروں تو کر سکتا ہوں مگر یہ امر مانع ہے کہ اور صحابہ نے بھی میری طرح سے احادیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا اور آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے لیکن پھر بھی روایت میں غلطی کرتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ دیدہ دانستہ جھوٹ نہیں بولتے اگر میں بھی روایت کروں تو خوف ہے کہ ان میں نہ داخل ہو جاؤں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی شخص حدیث سنتے تو اس کو قسم دیتے کہ اسی طرح سنی ہے۔ اسی وجہ سے مشائخ فن نے ہر شخص کو عمل بالحدیث سے روکا ہے تاوقتیکہ اس میں یہ صلاحیت پیدا نہ ہو جائے کہ صحیح کو سقیم سے صواب کو خطا سے واقعی کو غلط سے ممتاز کرنے کی صلاحیت نہ ہو اسی کے قریب اختلاف روایات کی ایک وجہ اختلاف ضبط ہے کہ نقل کرنے والوں سے واقعہ کے نقل کرنے میں کچھ گڑبڑ ہو گئی یہ کچھ مستبعد بات نہیں بعض اوقات بڑے سے بڑے فہیم عاقل سے بات کے سمجھنے میں نقل کرنے میں تعبیر کرنے میں گڑبڑ ہو جاتی ہے چنانچہ میں پہلے نقل کر چکا ہوں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقولہ نقل فرماتے ہیں کہ میّت کو اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث پر جرح فرماتی ہیں کہ واقعہ کے نقل کرنے میں غلطی ہوئی۔ اصل قصہ اس طرح ہوا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک یہودی عورت پر ہوا جو مر چکی تھی اور اس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ رو رہے ہیں اور وہ عذاب قبر میں مبتلا ہے۔ تو حضرت عائشہؓ کے خیال کے موافق ان کے رونے کو اس کے عذاب میں کوئی دخل نہیں تھا۔ اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ اگر نہانے کی حاجت میں صبح صادق ہو جائے تو اس دن روزہ نہیں رکھ سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کو نقل فرماتے ہیں، اور خود ان کا فتویٰ بھی یہی تھا، چنانچہ فتح الباری

Marfat.com

کتاب الصوم میں بڑی تفصیل سے ان روایات کو جمع کیا گیا ہے، لیکن حضرت عائشہ رض اور حضرت ام سلمہؓ ازواج مطہرات فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کے وقت نہانے کی ضرورت ہوتی تھی اور اس دن روزہ بھی رکھ لیتے تھے، ایک جماعت حضورؐ سے نقل کرتی ہے کہ نمازی کے سامنے سے اگر عورت یا کتا گذر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رض اس پر انکار فرماتی ہیں کہ یہ غلط ہے؛ فاطمہ بنت قیس نقل کرتی ہیں کہ تین طلاق والی عورت کے خورد ونوش اور مکان کا صرفہ خاوند کے ذمہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ حدیث پہنچی تو فرمادیا کہ میں قرآنی حکم کو ایک عورت کے کہنے سے کس طرح چھوڑدوں۔

غرض بہت سی امثلہ اس کی ملیں گی جہاں نقل کرنے والوں سے باوجود ان کے معتبر اور سچے ہونے کے غلطی کا صدور ہوا ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے خبر واحد پر عمل کرنے کے لئے بہت سے اصول مقرر کئے ہیں کہ ان پر روایت کو پرکھ لیا جائے، اگر قواعد کے موافق ہو تو عمل کیا جائے ورنہ نہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسی واقعہ سے علماء حنفیہ رضی اللہ عنہم کے اس اصول کی تائید ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ اس حدیث کو ترجیح دیتے ہیں جو مضمون قرآنی کے موافق ہو اگرچہ دوسری طرف کے روایت کرنے والے ان کی بہ نسبت زیادہ ثقہ یا تعداد میں زیادہ ہوں اور یہ سب واقعات بھی اسی امر کی تائید کرتے ہیں جس کو ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ حدیث پر عمل کرنا اسی شخص کا کام ہے جو غلطی کو پہچان سکے۔ حیرت ہے کہ سونے کے خریدار پرکھنے کے لئے صراف کے محتاج ہیں، لیکن عمل بالحدیث کے لئے کسی جانچنے پرکھنے والے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ اس میں بلا کسی واقفیت کے اپنی رشناسی پر پورا گھمنڈ ہے

فَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ

Marfat.com

دور ثانی میں اختلافِ روایات کی چوتھی وجہ

یہ بھی پیش آئی کہ صحابہ کرامؓ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی جاں نثار اور واقعی عشاق تھے جو حضورؐ کی ہر ادا پر سو دل سے قربان ہونے والے تھے جو صحیح طور پر اس شعر کے مصداق تھے۔

دیتا جو کردگار مجھے بے شمار دل
کرتا میں ہر ادا پہ سو سو نثار دل

صحابہ کے تعلق کی امثلہ بھی حد بیان سے باہر ہیں ان میں کا ہر ہر واقعہ چھوٹی سے چھوٹی مثال ہے ایک ادنیٰ سا واقعہ حضرت انسؓ نقل کرتے ہیں کہ حضورؐ کا ایک صحابی کے مکان پر گذر ہوا۔ جنہوں نے ایک کمرہ تعمیر کرا لیا تھا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کا ہے اور معلوم ہونے پر زبان سے کچھ بھی ارشاد نہیں فرمایا لیکن جب وہ صاحب مکان حاضر خدمت ہوئے تو سلام کا جواب نہیں دیا مکرر سہ کرر انہوں نے لوگوں سے پوچھا اور مکان کیطرف سے گزر فرمانے کا حال سُنکر فوراً جاکر اس کمرے کو منہدم کرا دیا۔ اور پھر یہ بھی نہیں کہ حاضر ہو کر اطلاع کر دی ہو۔ شرم و ندامت کی وجہ سے خبر بھی نہیں کی۔ اتفاقاً دوبارہ جب خود ہی حضورؐ کا ادھر گذر ہوا تو معلوم ہوا۔ غرض وہ کبھی کبھی محبوب کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کے ظاہر پر عمل فرماتے تھے ممکن ہے کہ بعض حضرات مطلب ہی وہ سمجھتے ہوں جس پر وہ عمل فرما ہوئے تھے لیکن یہ بھی بعید نہیں۔ بلکہ بعض الفاظ سے یہ بات ٹپکتی ہے کہ وہ خود بھی بعض اوقات سمجھتے تھے کہ حقیقی مطلب یہ نہیں، مگر چونکہ ظاہر لفظ یہ ہے اس لئے وہ اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبویؐ کے ایک دروازہ کی طرف اشارہ کر کے

Marfat.com

یہ فرمایا کہ ہم اس دروازہ کو عورتوں کے لئے مخصوص کر دیتے تو اچھا تھا حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس دروازہ سے کبھی مسجد میں داخل نہیں ہوئے۔

ابوسعید خدریؓ کا جب انتقال ہونے لگا تو نئے کپڑے منگا کر زیب تن فرمائے۔ اور یہ کہا کہ میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ آدمی جن کپڑوں میں مرتا ہے انہی کپڑوں میں حشر میں اٹھایا جائے گا۔

قرآن شریف کی آیت کما بدءنا اول خلق نعیدہ کی تفسیر میں روایاتِ مشہورہ سے ثابت ہے کہ حشر میں سب ننگے اٹھائے جائیں گے۔ متعدد روایات سے یہ مضمون ثابت ہے اور مستبعد ہے کہ ابوسعید خدریؓ کو حدیث کا مطلب معلوم نہ ہو مگر اس کے باوجود بھی انہوں نے صرف ظاہری لفظ پر عمل فرما کر نئے کپڑے زیب تن فرمائے۔

اس نوع کی امثلہ بھی حدیث میں بکثرت ملیں گی گو یہ نوع بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے لیکن جن کو محبت کے گھاٹ سے کوئی گھونٹ ملا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ محبوب کے الفاظ بلا لحاظ مقصد و غرض کس قدر اہم ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم منسوخ روایات کو بھی نقل کرتے ہیں حالانکہ جب کوئی حکم منسوخ ہو چکا اس کی تبلیغ کی کیا ضرورت نہیں رہی اسی طرح ایسی بکثرت احادیث روایت کی جاتی ہیں جو اجماعاً متروک الظاہر ہیں۔

اسی لئے محدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے علم حدیث کے تحمل کے لئے اس کی بصیرت اور امین زبان و قلم ملانے کے لئے بڑے سخت قواعد مرتب فرمائے ہیں، طالبِ حدیث کے لئے بھی قواعد و شرائط مقرر فرمائے ہیں محدث و معلم کے لئے ان سے زیادہ اونچی اور سخت حدود معین فرمائی ہیں اگرچہ مضمون بے ارادہ طویل ہوتا جارہا ہے لیکن وقتی ضرورت سے امام بخاریؒ کی ایک عجیب حکایت اس جگہ نقل کرتا ہوں جس سے یہ اندازہ ہوگا کہ علم حدیث کے حاصل کرنے کے لئے اور

Marfat.com

اس کا طالب علم بننے کے لئے بھی سلف صالحین نے کس قدر جان کاہی کو ضروری قرار دیا ہے چہ جائیکہ محدثیت اور مشیخیت ۔

قال السیوطی بسنده الی ابی المظفر محمد بن حامد البخاری قال لما عزل ابو العباس الولید بن ابراهیم بن زید الهمدانی عن قضاء الری ورد بخاری فحملنی معلمی ابو ابراهیم الختلی الیه وقال له اسألك ان تحدث هذا الصبی عما سمعت من مشائخنا فقال مالی سماع قال فکیف وانت فقیه قال لانی لما بلغت مبلغ الرجال تاقت نفسی الی طلب الحدیث فقصدت محمد بن اسماعیل البخاری واعلمته مرادی فقال یا بنی لا تدخل فی امر

محمد بن احمد کہتے ہیں کہ جب ولید بن ابراہیم مقام ری کی قضاء سے معزول ہو کر بخارا پہنچے تو میرے استاد ابو ابراہیم ختلی مجھے ساتھ لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ نے جو روایات حدیث ہمارے مشائخ اور اساتذہ سے سنی ہیں اس کو روایت کیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے احادیث کی روایات نہیں سنیں میرے استاد نے تعجب سے پوچھا کہ آپ اتنے بڑے فقیہ متبحر ہو کر ایسی بات فرماتے ہیں انہوں نے اپنا قصہ سنایا کہ جب میں عاقل بالغ ہو گیا اور مجھے علم حدیث کا شوق ہوا تو میں امام بخاری رح کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی غرض ظاہر کی انہوں نے ناصحانہ ارشاد فرمایا کہ بیٹا جب

Marfat.com

الا بعد معرفة حدوده
والوقوف على مراده
واعلم ان الرجل
لا يصير محدثا كاملا
في حديثه الا بعد
ان يكتب اربعا
مع اربع كاربع مثل
اربع في اربع عند
اربع باربع على
اربع عن اربع
لاربع۔
وكل هذه الرباعيات
لا تتم الا باربع
مع اربع فاذا تمت
له كلها هان
عليه اربع وابتلى
باربع فاذا صبر
على ذالك اكرمه
الله في الدنيا
باربع واثابه
في الآخرة باربع.
قلت له فسر لي

کسی کام کا ارادہ کرو تو اس سے
پہلے اس کے متعلق اس کے
لوازمات ، حالات دریافت
کر لینا چاہئیں ۔ اس کی حدود
معلوم کرنے کے بعد اس کا ارادہ
کرنا چاہیے ۔
اب سنو! کہ آدمی محدث
کامل اس وقت نہیں ہو سکتا
کہ چار چیزوں کو چار چیزوں کے
ساتھ ایسے لکھے جیسے کہ چار چیزیں چار چیزوں
کیساتھ مثل چار چیزوں کے چار زمانوں میں چار
حالات کیساتھ چار مقامات میں چار
چیزوں پر چار نوع کے اشخاص
سے چار اغراض کے لئے ۔
اور یہ سب جوڑے پورے نہیں
ہو سکتے مگر چار چیزوں کے
ساتھ جو دوسرے چار کے ساتھ
ہوں اور جب یہ سب پورے
ہو جاویں تو اس پر چار چیزیں
سہل ہو جاتی ہیں ، اور چار مصائب
کے ساتھ مبتلا ہوتا ہے ۔ اور جب
ان پر بھی صبر کرے تو حق تعالیٰ شانہ

Marfat.com

رحمك الله ما
ذكرت من احوال
هذه الرباعيات
قال نعم اما
الاربعة التي يحتاج
الى كتبها هي
اخبار الرسول
صلى الله عليه
وسلم وشرائعه
والصحابة ومقاديرهم
والتابعين و
احوالهم وسائر
العلماء وتواريخهم
مع اسماء رجالها
وكناهم
وامكنتهم وازمنتهم
كالتحميد مع
الخطيب مع الرسل
والبسملة مع
السورة والتكبير
مع الصلوٰة
مثل المسندات

چار چیزوں کے ساتھ دنیا میں
اکرام فرماتے ہیں۔
اور چار چیزیں آخرۃ میں نصیب
فرماتے ہیں۔
میں نے عرض کیا اللہ آپ پر رحم
فرمائیں۔ ان چوکڑوں کی تفسیر تو
فرما دیجئے، انہوں نے فرمایا ہاں
سنو! وہ چار جن کے لکھنے
کی ضرورت پڑتی ہے وہ حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ
احادیث اور احکامات اور صحابہ
کے ارشادات اور ان صحابہ کے
مراتب کہ کون شخص کس درجہ کا
ہے اور تابعین کے ارشادات اور
ان کے حالات کہ کون شخص معتبر
ہے اور کون غیر معتبر اور جملہ علماء
رواۃ کے حالات اور ان کی
تواریخ مع ان چار چیزوں کے
کہ ان کے اسماء رجال لکھے ان
کی کنیتیں ان کے رہنے کے
مقامات اور ان کے پیدائش و
وفات کے زمانے جس سے

Marfat.com

والمرسلات
والموقوفات
والمقطوعات
في صغره
وفي ادراكه
وفي شبابه
وفي كهولته
عند شغله وعند
فراغه وعند
فقره وعند
غناه بالجبال
والبحار والبلدان
والبراري
على الاحجار
والاصداف
والجلود والاكتاف
الى الوقت
الذي يمكنه
نقلها الى
الاوراق
عمن هو
فوقه وعمن هو

یہ اندازہ ہو سکے کہ جن لوگوں سے
روایت کر رہا ہے ان سے ملاقات
بھی ہوئی ہے یا نہیں) یہ ایسی
لازمی ہیں جیسے خطبہ کے ساتھ
حمد و ثنا اور رسل کے ساتھ دعا
یعنی ان پر صلوٰۃ و سلام اور سورۃ
کے ساتھ بسم اللہ اور نماز کے
ساتھ تکبیر (اور مثل چار چیزوں
کے) جیسے مسندات، مرسلات،
موقوفات۔ مقطوعات، کہ یہ
علم حدیث کی چار اقسام کے
نام ہیں (چار زمانوں میں) بچپن
میں، قریب البلوغ زمانہ میں
بالغ ہونے کے بعد اور بڑھاپے
سے پہلے تک (حاصل کرتا ہے)
اور چار حالات کا مطلب یہ ہے
کہ مشغولی کے وقت فراغت کے
وقت، تنگی میں، اور تونگری
میں۔
غرض ہر حال میں اسی کی طرف
لگا رہے اور اسی کی دھن ہو (چار
مقامات میں) یعنی پہاڑوں پر

Marfat.com

مثله وعمن هو فوقه وعمن هو مثله
وعمن هو دونه وعن كتاب
ابيه بتيقن انه
بخط ابيه دون
غيره لوجه الله تعالى
طالباً لمرضاته
والعمل بما وافق
كتاب الله تعالى
منها ونشرها
بين طالبيها والتاليف
في احياء ذكره
بعده ثم لا تتم
له هذه الاشياء
الا باربع هي من
كسب العبد
معرفة الكتابة
واللغة والصرف والنحو
مع اربع هن
من اعطاء
الله تعالى الصحة
والقدرة والحرص
والحفظ فاذا اصحت

دریاؤں میں، شہروں میں،
جنگلوں میں، غرض جہاں جہاں
کوئی معلم حدیث معلوم ہو سکے
اس سے حاصل کر لے (چار
چیزوں پر یعنی پتھروں پر،
سیپوں پر، چمڑے پر، ہڈیوں پر،
غرض اس وقت تک کہ کاغذ ملے
اور اس پر لکھنے اور نقل کرنے
کی نوبت آوے جو چیز ملے اس
پر لکھ دے تاکہ مضمون ذہن سے
نہ نکل جاوے)
اور جن چار سے حاصل کرے وہ اپنے
سے بڑے اور چھوٹے اور برابر کے
اور اپنے باپ کی کتاب سے بشرطیکہ
اس کا خط پہچانتا ہو (غرض جس
طرح بھی معلوم ہو سکے کوتاہی نہ
کرے نہ اپنے سے برابر کے یا
چھوٹے سے حاصل کرنے میں عار
کرے)
چار چیزوں کی نیت سے سب سے
مقدم حق سبحانہ وتقدس کی رضا
کے واسطے کہ آقا کی رضا کا طالب

Marfat.com

له هذه الاشياء
هان عليه اربع
الاهل والولد و
المال والوطن وابتلى
باربع شماتة الاعداء
وملامة الاصدقاء
وطعن الجهلاء
وحسد العلماء
فاذا صبر على
هذه المحن اكرمه
الله تعالى في
الدنيا باربع
يعني القناعة بهيبة
اليقين وبلذة العلم
وبحياة الابد و
اثابه في الاخرة
باربع بالشفاعة
لمن اراد من
اخوانه وبظل
العرش حيث
لاظل الا ظله وبسقي
من اراد من

وہنا غلام کا فرض ہے دوسرے
جو مضامین کتاب اللہ کے موافق
ہوں ان پر عمل تیسرے طالبین و
شائقین تک پہنچانا چوتھے تصنیف
وتالیف کہ بعد میں آنے والوں کیلئے
شمع ہدایت باقی رہے اور یہ سب
مذکورہ بالا حاصل نہیں ہو سکتی مگر
چار چیزوں کے ساتھ جو بندہ کی کسبی
ہیں کہ آدمی اپنی محنت سے مشقت
سے ان کو حاصل کر سکتا ہے وہ
علم کتابت یعنی لکھنا اور علم لغت
کہ جس سے الفاظ کے مطالب
معلوم ہو سکیں اور صرف ونحو کہ
جن سے الفاظ کی صحت معلوم ہو سکے
اور یہ سب ایسی چار چیزوں پر
موقوف ہیں جو حق تعالیٰ شانہ کی
عطائے محضہ ہیں بندہ کے کسب
پر موقوف نہیں وہ صحت تندرستی
حرص علی التعلیم اور حافظہ اور
جب یہ سب حاصل ہو جاویں تو
اس کی نگاہ میں چار چیزیں حقیر
ہو جاتی ہیں اہل اولاد مال اور

Marfat.com

حوض محمد صلی اللہ علیہ وسلم وجوار النبیین فی اعلی علیین فی الجنۃ فقد اعلمتک یا بنی بجملات جمیع ما کنت سمعت من مشائخی متفرقاً فی ھذا الباب فاقبل الان علی ما قصدتنی لہ اودعہ۔

وطن ، اور پھر چار مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے دشمنوں کی شماتت دوستوں کی ملامت جاہلوں کے طعنہ اور علما کا حسد اور جب آدمی ان سب پر صبر کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ چار چیزیں دنیا میں نصیب فرماتے ہیں ، اور چار آخرۃ میں ، دنیا کی چار حسب ذیل ہیں اوّل قناعت کے ساتھ عزت ، دوسرے کمال یقین کے ساتھ وقار وہیبت ، اور تیسرے لذت علم اور چوتھے دائمی زندگی ۔ اور آخرت کی چار یہ ہیں اوّل شفاعت جس کی دل چاہے ۔ دوسرے عرش کا سایہ اس روز جس دن کہ اس کے سوا کوئی سایہ ہی نہیں ہوگا ، تیسرے حوض کوثر سے جس کو دل چاہے پانی پلائے ۔ چوتھے انبیاء کا قرب اعلیٰ علیین ۔ پس بیٹا ! میں نے جو کچھ اپنے مشائخ سے متفرق طور پر سنا تھا مجملاً سب بتا دیا ہے ، اب تجھے اختیار ہے کہ حدیث کا مشغلہ اختیار کر یا نہ کر فقط ۔

Marfat.com

یہ وہ اصول و قواعد ہیں جو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ہر اس شخص کے واسطے جمع فرمائے ہیں جو محدث اور عالم حدیث بننے کا ارادہ رکھتا ہو، ہم لوگوں کو حقیقتہً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس نصیحت سے سبق لینا چاہیئے، اور دانتوں سے اس کو پکڑنا چاہیئے حقیقہ یہ ہے کہ علم حدیث اس سے بھی زیادہ مشکل ہے اور اس نکاسل کے زمانہ میں جبکہ منتہائے علم کی آخری سیڑھی صحاح ستہ کی چند کتابیں ہوں اپنے کو محدث سمجھ لینا یا اپنے کو علم حدیث کا فاضل تجویز کر لینا اس بندر کی مثال کے بہت ہی مشابہ ہے جو ایک ہلدی کی گرہ سے اپنے کو پنساری کہلانے کا شائق ہو۔ حقیقتاً اس جہل کے زمانہ میں علم دین کی جس قدر مٹی خراب ہم نیم مولویوں کی جماعت سے ہو رہی ہے اس کی مثال شاید چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی سابقہ قرون میں نہ مل سکے گی جس کی واحد وجہ اپنی فضیلت پر اعتماد اپنی معلومات ناقصہ پر وثوق حالانکہ متاخرین فقہا نے اپنی رائے سے فتویٰ دینے کی بھی اس زمانہ میں اجازت نہیں دی بلکہ اس کے مثل سابقہ فتاوی میں سے حکم نقل کر دینے کی اجازت دی ہے، مگر اس دو ورق مسئلہ مسائل تو در کنار بڑی سے بڑی علمی تحقیق اپنے وجدان اپنی سمجھ کی رہین منت بن گئی۔ فالی اللہ المشتکی وھو المستعان۔ بالجملہ یہ مضمون اپنے وجود ضروری ہونے کے مبحث سے خارج ہے اس لئے اس کو ترک کر کے اپنے مضمون سابق کی طرف عود کرتا ہوں کہ دور ثانی میں اختلاف روایات کی وجوہ کثیرہ میں سے مثال کے طور پر چار وجوہ پر قناعت کر کے آگے چلتا ہوں کہ اس کے بعد صحابہ تابعین اور تبع تابعین ائمہ مجتہدین ائمہ محدثین غرض جس قدر مشکوٰۃ نبوۃ سے بُعد ہوتا گیا وجوہ اختلاف بڑھتے گئے اور بڑھنا بدیہی ہے کہ جتنے منہ اتنی ہی باتیں یہ وجہ حقیقتہً بہت سی انواع اور وجوہ کو شامل ہے لیکن تطویل کے خیال سے ان سب کو ایک وجہ میں شامل کر کے پانچویں وجہ اس دور کی قرار دیتا ہوں کہ مضمون زیادہ طول نہ پکڑے۔

Marfat.com

(مختصراً پانچویں وجہ) کثرت وسائط ہے کہ احادیث کی روایات میں جس قدر واسطے بڑھتے گئے سابقہ سب وجوہ کی بنا پر اتنا ہی اختلاف پیدا ہوتا گیا یہ وجہ بدیہی ہے ہر شخص کو پیش آتی ہے ہر شخص سمجھتا ہے کہ کسی قاصد کے ہاتھ آپ ایک بات کہلا کر بھیجئے لیکن اگر درمیان میں چند واسطہ ہوجاویں گے تو اس میں اختلاف لازمی اور بدیہی ہے، یہی وجہ ہے کہ ائمہ حدیث نے روایات کی وجوہ ترجیح میں علو سند یعنی واسطوں کے کم ہونے کو ایک بڑی وجہ قرار دی ہے جس کو حق تعالیٰ شانہ کو اگر منظور ہے تو اپنے موقع پر تفصیل سے میں پیش کروں گا۔ یہاں پر اجمالاً اتنا متنبہ کرنا ضروری ہے کہ عقلاً نقلاً تجربتہً مشاہدۃً کثرت وسائط اختلاف کا سبب ہوا کرتا ہے اور یہی اختلاف روایات کی بڑی اور سب سے بڑی وجہ ہوتی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک امام صاحب رضی اللہ عنہ کے فقہ کو دوسرے ائمہ فقہا اور تمام محدثین کے کے اقوال و روایات پر ترجیح ہونے کی منجملہ اور وجوہ کثیرہ کے جو اپنے موقع پر واضح ہیں یہ بھی ایک وجہ ہے کہ اجماعاً امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان میں واسطے بہت کم ہیں توضیح کے لئے اجمالی طور پر مشاہیر ائمہ کی تاریخ ولادت و وفات پیش کرتا ہوں۔

امام ابو حنیفہؒ	″	ولادت	۸۰ھ	وفات ۱۵۰ھ		کل عمر ۷۰
امام مالکؒ	″	″	۹۵ھ	۱۷۹ھ	″	۸۴
امام شافعیؒ		″	۱۵۰ھ	۲۰۴ھ	″	۵۴
امام احمد بن حنبلؒ	″	″	۱۶۴ھ	۲۴۱ھ	″	۷۷
امام بخاریؒ	″		۱۹۴ھ	۲۵۶ھ	″	۶۲
امام مسلمؒ	″	″	۲۰۴ھ	۲۶۱ھ	″	۵۷
امام ابو داؤدؒ	″		۲۰۲ھ	۲۷۵ھ	″	۷۳
امام ترمذیؒ	″	″	۲۰۹ھ	۲۷۹ھ	″	۷۰

Marfat.com

امام نسائیؒ ولادت ۲۱۵ھ وفات ۳۰۳ھ کل عمر ۸۹

امام ابن ماجہؒ " ۲۰۹ھ " ۲۷۳ھ " ۶۴

اس توضیح کے بعد یہ امر بہت ہی واضح ہو جاتا ہے کہ امام بخاری امام مسلم رضی اللہ عنہما تک روایت کے آتے ہیں جب کہ حضورؐ کے زمانہ کو تقریباً دو سو برس گذر چکے ہیں بہت سے وسائط کا اضافہ ہو جاوے گا بخلاف امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ کے زمانہ کے کہ وہاں سو برس بھی فصل نہیں۔ بالجملہ کثرت وسائط روایات کے اختلاف کا سبب ہوا کرتی ہے اور تدوین کتب حدیث چونکہ دوسری صدی میں بالعموم شروع ہوئی اس لئے اس وقت نقل کرنے والوں کی کثرت وسائط کی وجہ سے روایات کے الفاظ میں بہت زیادہ اختلاف ہو گیا۔

(اختلاف روایات کی چھٹی وجہ ضعف روایات ہے کہ انہی کثرت وسائط میں بعض راوی ضعیف غیر معتبر بھی آ گئے کہ بعض لوگ حافظہ کی خرابی یا کسی عارض کی وجہ سے کچھ سے کچھ نقل کر دیتے تھے انہیں میں بعض روات ایسے بھی تھے جن کو اپنے حافظہ یا کتب پر اعتماد تھا لیکن ان میں کسی حادثہ کی وجہ سے کوئی ایسا عارضہ پیش آ گیا جس کی وجہ سے روایات میں گڑبڑ ہونے لگی غلط روایات نقل کی جانے لگیں اسی وجہ سے ائمہ حدیث نے حدیث پر عمل کرنے کے لئے نہایت ہی ضروری قرار دیا ہے کہ وہ ہر راوی کے حالات سے واقف ہو اور اس میں بصیرت رکھتا ہو۔ اور یہی وجہ ہے مشائخ حدیث نے عامی شخص کو حدیث پر عمل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ شرح اربعین نوویہ میں ہے۔

من اراد الاحتجاج بحدیث	جو شخص کتب سنن میں کسی حدیث سے
من السنن کابی داود	استدلال کا ارادہ کرے جیسے
والترمذی والنسائی	ابوداؤد ترمذی، نسائی وغیرہ
وابن ماجۃ	بالخصوص ابن ماجہ مصنف ابن

Marfat.com

ومصنف ابن ابی شیبة	ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق،
وعبد الرزاق ونحوهما	اور ان جیسی کتب جن میں ضعاف
مما تكثر فيه الضعف	روایتیں بکثرت ہوں۔ وہ اس
وغيره او بحديث من	کا اہل ہے کہ حدیث صحیح کو غیر صحیح
المسانيد فان تاهل	سے ممتاز کرسکے تب بھی اسکے
لتميز الصحيح من غيره	لئے ناجائز ہے کہ اس حدیث
امتنع ان يحتج بحديث	کو حجت بنالیوے تاوقتیکہ اس
من ذالك حتى ينظر	کے اتصال کی تحقیق نہ کرلے اور
في اتصال سنده حال	رواۃ کا حال منقح نہ کرے اور اگر
رواته وان لم يتاهل	اس کا اہل ہی نہیں تو اگر کوئی
له فان وجد اماما	امام ہو تو اس کی تقلید ضروری ہے
قلده والا لم يجز	ورنہ اس کے لئے احتجاج جائز
له الاحتجاج به لئلا	نہیں۔ مبادا کسی امر باطل میں
يقع في الباطل ـ	نہ پڑ جائے ۔

اس مضمون کو ہم اپنے موقعہ پر ان شاء اللہ وضاحت سے دکھلادیں گے کہ جمہور فقہاء اور جمہور محدثین نے اس کی تصریح کی ہے کہ جس شخص کو روایات کی صحت و ضعف پہچاننے کا سلیقہ نہ ہو ناسخ و منسوخ کو ممتاز نہ کرسکتا ہو عمومی احکام کو خصوصی ارشادات سے جدا نہ کرسکتا ہو اس کو عمل بالحدیث جائز نہیں اور حقیقۃً یہ امر کسی کی تصریح کا محتاج بھی نہیں اس قدر بدیہی بات ہے کہ جو شخص صحیح کو سقیم سے جدا کرنے پر قادر ہی نہیں وہ اس پر عمل کس طرح کرسکتا ہے ۔

(ساتویں وجہ) اس دور کی یہ ہے کہ خیر القرون کے بعد حسب ارشاد آقائے دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کذب کا ظہور ہوا لوگوں نے عمداً جھوٹ بولنا

Marfat.com

شروع کر دیا۔ اسی وجہ سے علماء محدثین نے موضوعات کی کتب تالیف فرمائیں،
ان جھوٹے لوگوں میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو اپنے اغراض کی وجہ سے حدیث
گھڑ دیتے تھے۔ ایسی حالت میں جس قدر بھی اختلاف روایات میں واقع ہو کم ہے۔
ابن لہیعہ ایک شخص کا قصہ نقل کرتے ہیں کہ وہ ایک زمانہ میں خوارج کا شیخ تھا۔
پھر اس کو توبہ کی توفیق نصیب ہوئی تو اس وقت اس نے یہ نصیحت کی کہ حدیث
حاصل کرنے کے وقت اس کے رواۃ کی تحقیق کر لیا کرو۔ ہم لوگ جب کسی بات
کو پھیلانا چاہتے تھے اس کو حدیث بنا لیا کرتے تھے۔ حماد بن سلمہؒ ایک رافضی
کا مقولہ نقل فرماتے ہیں کہ ہم اپنی مجالس میں جب کسی امر کو تجویز کرتے تھے تو اس کو
حدیث بنا لیا کرتے تھے۔ مسیح بن جہم ایک بدعتی کا مقولہ نقل کرتے ہیں کہ جب وہ
تائب ہوا تو اس نے قسم کھا کر یہ کہا کہ ہم نے بہت سی باطل روایات تم سے نقل
کی ہیں اور تمہارے گمراہ کرنے کو ہم ثواب سمجھتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ حفاظ حدیث نے
ان مقولوں کو اپنی اپنی جگہ ذکر فرمایا ہے بالخصوص حافظ نے لسان کے شروع میں۔
میری غرض ان کے ذکر سے اس کا ثبوت تھا کہ خود گھڑنے والے اقرار کرتے تھے۔
کہ ہم نے جھوٹی روایات گھڑی ہیں اور یہ نوع حقیقت میں بہت سی اقسام کو شامل
ہے بعض لوگ تو اپنے ان اغراض کے لئے گھڑتے تھے جن کو وہ دین سمجھتے تھے جیسے
روافض خوارج وغیرہ وغیرہ جن کے مقولے پہلے گذرے اس وجہ سے محدثین نے
ان قواعد میں جو حدیث پر عمل کرنے کے لئے مقرر فرمائے ہیں ان میں منجملہ اور شرائط
کے یہ بھی ذکر فرمایا کہ جس شخص کے رفض کا حال اسماء رجال سے معلوم ہو فضائل اہل
بیت میں اس کی روایت معتبر نہیں۔

حماد بن زید کہتے ہیں کہ زنادقہ نے چودہ ہزار احادیث گھڑی ہیں جن میں سے
ایک شخص عبدالکریم بن ابی العوجاء ہے جس کو مہدی کے زمانہ میں سولی پر چڑھایا گیا
وہ سولی پر چڑھایا جا رہا تھا اس وقت اس نے کہا کہ میں نے چار ہزار حدیثیں گھڑی

Marfat.com

ہیں جن میں حلال اشیاء کو حرام بنایا اور حرام کو حلال بنایا۔ اور بعض لوگ محض کسی امیر یا بادشاہ کے خوش کرنے کے لئے حدیث گھڑ دیتے تھے جن کے قصے موضوعات میں بالتفصیل درج ہیں اور ان اقسام میں جن پر ائمہ حدیث نے زیادہ کلام کیا ہے صوفیہ اور واعظین کی روایات ہیں کہ صوفیہ کو ان کے حسن ظن کی بنا پر ہر شخص کے قول پر اعتماد ہو جاتا ہے اور اس بنا پر وہ اس کو سچا سمجھ کر دوسرے سے نقل کرتے ہیں اور دوسرے لوگ ان کے اعتماد پر اوروں سے نقل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ امام مسلمؒ نے اپنے صحیح کے شروع میں اس پر کلام فرمایا ہے اس طرح واعظین کی روایات کہ وہ بسا اوقات مجمع پر رنگ جمانے کے واسطے غلط روایات نقل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگوں کا تو مذہب یہی ہے کہ امور آخرۃ میں رغبت دلانے کے لئے یا خوف پیدا کر دینے کے خیال سے حدیث کا گھڑنا جائز ہے۔

واعظین کی روایات بالخصوص کتب موضوعہ میں بکثرت پائی جاتی ہیں امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین رضی اللہ عنہما ایک مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے نماز کے بعد ایک واعظ نے وعظ شروع کیا اور انہی دونوں حضرات کے واسطے سے حدیث نقل کرنی شروع کی جب وہ وعظ ختم کر چکا تو امام یحییٰ بن معین نے ہاتھ کے اشارہ سے بلایا وہ یہ سمجھ کر کہ یہ کچھ دینے کے لئے اشارہ کر رہے ہیں قریب آیا۔ انہوں نے پوچھا یہ حدیث کس نے بیان کی اس نے پھر ان ہی دونوں حضرات کا نام لیا۔ وہ بیوقوف ان کو جانتا بھی نہ تھا۔ لیکن چونکہ دنیائے حدیث میں ان دونوں حضرات کی شہرت تھی اس لئے ان کا نام لے دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں یحییٰ بن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل۔ ہم نے تو تجھ کو یہ حدیث نہیں سنائی اور نہ کبھی خود سنی۔ اس نے کہا کہ یحییٰ بن معین تم ہی ہو انہوں نے فرمایا ہاں۔ کہنے لگا کہ میں ہمیشہ سے سنتا تھا کہ یحییٰ بن معین بے وقوف ہیں۔ مگر آج تجربہ ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ تجربہ کس طرح ہوا۔ اس نے کہا کہ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل تم ہی دو ہو

Marfat.com

ہیں نے سترہ یحییٰ بن معین احمد بن حنبل سے حدیثیں سنتی ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے رنج کی وجہ سے اپنے چہرہ مبارک پر کپڑا ڈال لیا۔ اور وہ مزاق سا کرتا ہوا چلا گیا۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں وعظ پر تشدید فرما رکھی تھی۔ ابونعیم نے کتاب الحلیہ میں زہری سے نقل کیا ہے کہ حدیث ایک شخص دو شخصوں اور تین چار شخصوں تک روایت کرتے ہیں کوئی حرج نہیں لیکن جب حلقہ وسیع ہو جاوے تو چپ ہو جا۔

خباب بن ارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل کی جب ہلاکت شروع ہوئی تو وعظ گوئی شروع کر دی۔ زین عراق کہتے ہیں کہ واعظوں کی آفات میں سے یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی بات عوام کے سامنے نقل کرتے ہیں جہاں تک ان کے ذہن نہیں پہنچتے جس سے اعتقاد فاسد ہوتے تھے۔ جب یہ سچی اور صحیح باتوں کا حال ہے تو غلط اور من گھڑت باتوں کا تو کہنا ہی کیا۔ انہی وجوہ سے علماء حدیث کو موضوع روایات میں بھی کتابیں تصنیف فرمانی پڑیں۔ اور ان حضرات نے اسی تحقیق و تنقیح کے ساتھ موضوع روایات کو یاد فرمایا۔ اور تحریر فرمایا۔ جس طرح سچی پکی روایات کو تاکہ بعد کے آنے والوں کو اشتباہ نہ پڑ جائے۔

(آٹھویں وجہ) جو گذشتہ کے قریب ہی ہے یہ بھی پیش آئی کہ روایت کرنے والے خود تو معتبر سچے پکے آدمی لیکن ان کی کتابوں میں کسی معاند بدباطن نے کچھ تصرف کر دیا۔ جس کی وجہ سے روایات میں اختلاف پیدا ہوا۔ یہ روایت کرنے والے خود معتبر اس لئے ان کی روایات کو رد بھی نہیں کیا گیا اور اس مکر کی وجہ سے اصل روایت میں گڑبڑی ہو گئی۔ چنانچہ اہل اصول نے تصریح کی ہے کہ حماد بن سلمہؓ کی کتابوں میں ان کے ربیب ابن ابی العوجاء نے تصرف کیا ہے۔ اور معمر کی کتابوں میں ان کے ایک بھتیجے نے جو رافضی ہو گیا تھا۔ ایک حدیث داخل کر دی یہ وجوہ اور اس نوع کی اور بھی بہت سی وجوہ ہیں جو عوام کے سامنے تفصیل کے قابل نہیں۔

Marfat.com

اس لئے کہ ان کے افہام اس سے قاصر ہیں وہ ان واقعات سے اپنی قلت فہم اور قصور علم کی وجہ سے مطلقاً حدیث شریف کی کتب اور روایات سے ایک بدظنی کا مضمون اخذ کرلیں گے۔ اس لئے میں اس کو مختصر کرتا ہوں۔ در حقیقت نہ یہ مضامین ایسے عام ہیں کہ ہر شخص کے سامنے رکھے جاویں اور نہ ہر نوع کا آدمی ان کی فہم کا اہل۔ اسی وجہ سے مشائخ نے عوام کے سامنے خاص مسائل کے تذکروں کو بھی روکا ہے اور ان وجوہ سے قدماء نے حدیث شریف پڑھنے کے لئے اس سے قبل اس قدر علوم ضروری قرار دیئے تھے جن سے اس کی استعداد حاصل ہو جاوے بالخصوص اصول فقہ اور اصول حدیث تاکہ بات سمجھنے اور پرکھنے کی قابلیت ہو جاوے۔ زین عراقی کا مقولہ میں ابھی نقل کر چکا ہوں۔ کہ واعظین کی آفات میں سے ہے کہ عوام کے سامنے ایسے امور بیان کرتے ہیں۔ جہاں تک ان کی عقول کی رسائی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے اعتقاد فاسد ہوتا ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تو کسی قوم سے ایسی حدیث بیان کرے جہاں تک ان کی عقول کی رسائی نہ ہو تو ان کے لئے فتنہ کا سبب ہوگی۔ امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس حدیث کو اپنی کتاب کے مقدمہ میں ذکر فرمایا ہے بخاری شریف میں امام بخاری نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھی اسی قسم کا مقولہ نقل فرمایا ہے۔ اگرچہ اب یہ امور خطرناک نہیں رہے اس لئے کہ ائمہ حدیث نے صحیح و سقیم روایات کو چھانٹ دیا۔ معتبر اور غیر معتبر کو ممتاز کر دیا۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب بخاری شریف کو چھ ۶۰۰۰۰۰ لاکھ احادیث سے اور امام مسلمؒ نے تین لاکھ احادیث سے اور امام ابوداؤد نے پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب کیا۔ تاہم میں اس دور ثانی کو اسی جگہ ختم کرتا ہوں اس لئے کہ مقصود اس سارے بیان سے جو آئندہ مضمون سے یہاں تک بیان کیا گیا اس سے یہ دکھلانا تھا کہ روایات حدیث میں اختلاف کی وجوہ بہت مختلف پیدا ہوتی ہیں اور وہ علاوہ بدیہی ہونے کے قرین قیاس اور موجہ ہیں اور ان وجوہ کثیرہ میں سے اٹھارہ ۱۸ وجوہ اس دور اوّل پر اور آٹھ اس دور میں

Marfat.com

ذکر کر چکا ہوں۔ اس کے علاوہ جس قدر وسائط کی کثرت ہوتی گئی اتنا ہی اختلاف اور ضعف روایات میں بڑھتا گیا اسی وجہ سے امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب میں ضعیف روایات بہت ہی کم ہیں۔ بلکہ گویا بالکل ہی نہیں اس لئے کہ ان کا زمانہ دوسری صدی کے ختم پر ہے اور دارقطنی کی کتاب میں بہت ہی زیادہ ضعیف روایات آگئیں اس لئے کہ ان کا زمانہ ان سے بہت زیادہ مؤخر ہے اور اسی وجہ سے ائمہ مجتہدین کا دور چونکہ امام بخاری رضی اللہ عنہ سے بھی مقدم تھے اس لئے کہ ائمہ اربعہ میں سے سب سے آخر زمانہ امام احمد بن حنبل کا ہے اور وہ بھی امام بخاری رضی اللہ عنہ سے مقدم ہیں اس لئے ان حضرات کے دور تک روایات میں اس قدر ضعف نہیں آیا تھا نہ اتنا اختلاف پیدا ہوا تھا۔ جس قدر کہ بعد میں ہو گیا۔ بالجملہ ان وجوہ اختلاف اور ضعفِ روایات کی وجہ سے ائمہ فقہ و حدیث رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم کو ان کی تحقیق و تنقیح فرمانے کی ضرورت پیش آئی۔ معتبر روایات کو مقدم فرمایا، غیر معتبر اور کاذب روایات کو ساقط فرمایا۔ پھر معتبر روایات میں راجح اور مرجوح ناسخ اور منسوخ کو جدا جدا کر دیا لیکن یہ سب امور خود ایسے تھے کہ ان کے درمیان میں اختلاف لازمی امر تھا۔ اس لئے کہ یہ ضروری نہیں کہ جو شخص میرے نزدیک معتبر ہے وہ سب کے نزدیک معتبر ہو یا جو میرے نزدیک دیانتدار ہے وہ سب کے نزدیک ایسا ہی ہو اس بنا پر مجتہدین میں بھی اختلاف ہوا اور ہونا چاہئیے تھا کہ فطری امر ہے اس لئے اب ہم اجمالاً ان وجوہ کا ذکر کرتے ہیں

تیسرا دور اختلاف مذاہب

اور ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف کی بڑی وجہ

سابقہ مضمون سے یہ امر تو واضح ہو گیا۔ کہ روایات میں نقل کرنے والے حضرات کی طرف سے کچھ تصرف پیش آیا۔ خواہ عمداً خواہ سہواً کہیں نقل میں غلطی ہوئی اور کہیں

Marfat.com

فہم ہیں اس لئے ائمہ حدیث وفقہ کے لئے اس کی ضرورت پڑی کہ ان روایات کو سامنے رکھ کر ان کے درمیان میں ترجیح دیں۔ اور اپنی تحقیق کے موافق صحیح ومعتبر روایات کو راجح قرار دیں۔ اور غیر صحیح کو غیر قابل عمل یہ حقیقت ہے کہ ائمہ مجتہدین کے اقوال مشکوٰۃ نبوت ہی سے ماخوذ ہیں بسا اوقات نص الفاظ سے استخراج کیا جاتا ہے۔ اور کہیں کہیں اس علت سے مسئلہ کا استخراج کیا جاتا ہے جو شارع علیہ السلام کے کلام سے مستنبط ہوتی ہے غرض حدیث پر عمل کرنے کے لئے کچھ اصول وقواعد کی احتیاج لابدی ہے جس کی وجہ سے اختلاف احادیث کے درمیان میں ترجیح دی جاسکے اور ان وجوہ میں ائمہ فقہ وحدیث کے درمیان میں اختلاف ہے یہ بحث نہایت طویل بحث ہے اصول فقہ وحدیث کی جملہ کتب حدیث سے قبل اسی کی تحقیق کے لئے پڑھائی جاتی ہیں اجمالی تذکرہ ان وجوہ کا یہ ہے کہ ائمہ حدیث نے وجوہ بالا کی بنا پر حدیث کی تین قسمیں فرمائی ہیں۔ متواتر۔ مشہور۔ خبر واحد۔ متواتر وہ حدیث ہے جس کے روایت کرنے والے ہر دور میں اس قدر کثیر ہوں کہ ان کے مجموعہ کا کسی کذب یا غلطی پر اتفاق ناممکن ہو جیسے بمبئی کلکتہ وغیرہ کے وجود کی خبریں اسی طرح نماز کی رکعات روزہ کے اعداد وغیرہ وغیرہ دوسری قسم مشہور ہے وہ بھی اسی کے قریب ہے ہمیں ان دونوں قسموں سے بحث نہیں کرنی اس لئے کہ ان کے متعلق ائمہ میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں معمولی اختلاف اس امر میں ہے کہ متواتر کے لئے کتنے عدد روایت کرنے والوں کی ضرورت ہے نیز مشہور متواتر کے حکم میں داخل ہے یا خبر واحد کے یا مستقل تیسری چیز ہے۔ ہماری بحث اس جگہ صرف خبر واحد سے ہے کہ جس کے روایت کرنے والے حد تواتر کو نہ پہنچے ہوں اور جملہ روایات حدیث تقریباً اسی نوع میں داخل ہیں یہ نوع اجمالاً دو قسم پر منقسم ہے مقبول ومردود حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں کہ قسم اول یعنی متواتر کے علاوہ کہ وہ تو مقبول ہی ہوتی ہے اس کے علاوہ جتنی اقسام ہیں وہ دو قسموں میں منحصر ہیں مقبول ومردود۔ مقبول وہ ہے جس پر عمل

Marfat.com

واجب ہو اور مردود وہ ہے جس کا معتبر ہونا غیر معتبر ہونے پر راجح نہ ہو لہذا جس حدیث میں وجوہ متعارض ہوں کہ بعض وجوہ اس کے صحیح اور معتبر ہونے کا تقاضا کرتی ہوں اور دوسری بعض اس کے غیر معتبر ہونے کا وہ بھی غیر معتبر ہی میں داخل کی جاوے گی تاوقتیکہ اس کے معتبر ہونے کی وجوہ راجح نہ ہو جاویں۔ اس کے بعد حافظ فرماتے ہیں کہ مردود تو غیر واجب العمل ہے ہی مگر مقبول بھی دو قسم پر منقسم ہے۔ واجب العمل غیر واجب العمل اس لئے کہ وہ اگر معقول ہونے کے باوجود کسی دوسری حدیث کے ساتھ معارض ہو گئی تو پھر دیکھا جاوے گا کہ ان دونوں احادیث میں کوئی صورت جمع کی ہو سکتی ہے یا نہیں اگر ہو سکتی ہے تو فبہا جیسا کہ ان دو حدیثوں کے متعلق علماء نے جمع فرمایا ہے، ایک حدیث میں حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ بیماری اڑکر نہیں لگتی، اور دوسری حدیث میں ارشاد عالی ہے کہ کوڑھی سے ایسا بھاگ جیسا شیر سے بھاگتا ہے۔ ان دونوں میں بظاہر تعارض ہے اور دونوں صحیح اور معتبر روایات ہیں علماء نے مختلف طریقوں سے دونوں میں جمع فرمایا ہے ہمیں ان اقوال کا بیان کرنا مقصود نہیں۔ ہماری غرض یہ ہے کہ جمع میں اگر صورت ممکن ہے تو وہ مقدم ہوگی۔ اور اگر جمع کی کوئی صورت ان مختلف احادیث میں نہ ہو سکے تو پھر دیکھا جاوے گا کہ تاریخ کے لحاظ سے کوئی تقدم و تاخر تو نہیں اگر محقق ہو گیا تو موخر پر عمل کیا جاوے گا۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہوا تو پھر دیکھا جاوے گا کہ کوئی اور خارجی وجہ منجملہ وجوہ ترجیح کے ایسی ہے جن کی وجہ سے کسی ایک روایت کو راجح کہا جاوے اور اگر یہ بھی نہ پایا جاوے تو پھر یہ دونوں روایتیں بھی باوجود صحیح اور مقبول ہونے کے اس تعارض کی وجہ سے انواع مردود میں داخل ہو گی یہاں پر علماء کے درمیان دو مبحث طویل ہو گئے۔ اول وجوہ رد یعنی کن کن وجوہ سے حدیث کو ضعیف اور غیر معتبر سمجھا جا سکتا ہے دوسرے وجوہ ترجیح یعنی دو مختلف روایتوں کے درمیان دونوں کے صحیح ہونے کے باوجود کس کس طریقہ سے ترجیح

Marfat.com

دیکھاتی ہے اور ان دو کلی بحثوں کے درمیان میں جس قدر جزوی اختلاف علماء کے درمیان میں ہو وہ قرین قیاس ہے ابھی گذشتہ قاعدہ میں نظر کیجئے۔ کہ دو حدیثوں میں جب دو مضمون وارد ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ ہر ذی علم کے نزدیک وہ دونوں متعارض ہوں بلکہ سرے سے ان کا مطلب ہی کسی مجتہد کے نزدیک وہ ہے جو دوسری حدیث کے معارض نہیں۔ اس کے بعد اگر معارضہ مان بھی لیا جاوے تو ضروری نہیں کہ ہر شخص کے نزدیک ان میں جمع کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے بہت اقرب ہے کہ کسی کے نزدیک جمع کی کوئی صورت ہو سکتی ہو اور کسی کے نزدیک نہیں۔ اس کے بعد یہ مان کر کہ جمع کی کوئی صورت نہیں۔ اس کی تحقیق میں آراء کا مختلف ہونا بدیہی امر ہے کہ کونسی حدیث ان میں سے مقدم ہے اور کونسی مؤخر۔ یہاں بھی اختلاف لابدی ہے اس لئے کہ بہت ممکن ہے کہ کسی کے پاس ایسے قرائن موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ کسی ایک حدیث کو مؤخر اور ناسخ سمجھتا ہے اور دوسری کو منسوخ لیکن دوسرے کے نزدیک وہ قرائن اس پر دال نہیں۔ اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جاوے کہ تقدم تاخر بھی محقق نہیں تو پھر اس میں بھی اختلاف لابدی ہے کہ کسی کے نزدیک وجوہ ترجیح بین الروایات کچھ ایسے امور ہیں جو دوسرے کے نزدیک نہیں جیسا کہ مختصر طور پر ہم اس کو کسی جگہ نقل کریں گے۔ اور یہ ہی سب وجوہ اختلاف بین المجتہدین کے اسباب ہیں اور یہ سب فطری اور بدیہی امور ہیں ایک نقل کرنے والا کوئی بات نقل کرتا ہے زید کے نزدیک وہ معتبر ہے عمرو کے نزدیک وہ کاذب ہے زید کے نزدیک وہ سمجھدار ہے عمرو کے نزدیک وہ بے وقوف ہے اسی طرح سے اور بہت سے اسباب ہیں تو زید کے نزدیک اس کی روایت سچی پکی اور عمرو کے ناقابل التفات۔ غرض ان وجوہ سے ائمہ حدیث و فقہ کے درمیان میں بہت سی جزئیات میں اختلاف ہوا جن کو اجمالی طور سے ہم مختصراً بیان کر کے یہ دکھلانا چاہتے

Marfat.com

دکہ یہ وجوہ ہیں علمار کے درمیان میں اختلاف کی اور ان کا حل دو صورتوں منحصر ہے
یا بعد کا آنے والا اس قدر صلاحیت رکھتا ہو کہ ان کے وجوہ مختلفہ میں سے اپنے
دل سے ترجیح دیتا ہے اور اس پر عمل کرے وہ مصیب ہے اور انشار اللہ ماجور
اسی کو ہم لوگ مجتہد کہتے ہیں یا وہ اس قدر استعداد اپنے اندر نہیں رکھتا کہ ان متعارض
وجوہ متعارض اقوال در روایات کے درمیان میں ترجیح دے سکے۔ تو اس کو چاہیئے
کہ کسی واقف کار کے پیچھے ہو لے یہ بھی مسئلہ ہے کہ راستہ جب مشتبہ ہو جاوے
تو اگر ماہر ہے تو خود آگے بڑھے ناواقف ہے تو کسی کے پیچھے چلے لیکن یہ تحقیق کرنے کے
بعد کہ جس کے پیچھے جارہا ہے وہ خود بھی واقف ہے یا نہیں اور کہاں جاوے گا
اور یہ صورت کہ ہر چور راہے پر کسی ایک چلنے والے کے پیچھے ہونے والا بجز بھٹکنے
کے اور کیا کر سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ علمار تقلید شخصی کو ضروری تبلاتے ہیں اور
تقلید غیر معین سے روکتے ہیں الغرض ان سابقہ وجوہ کی بنا پر علمار میں دو مستقل باب
مختلف ہو گئے۔ اول وجوہ طعن کہ روایات حدیث کو کن وجوہ سے مجروح قرار دیا جاسکتا
ہے۔ محدثین نے وجوہ طعن دس گنوائی ہیں جن میں سے پانچ راوی کی عدالت کے
متعلق ہیں اور پانچ حافظہ کے متعلق ———— عدالت کے متعلق حسب
ذیل جروح ہیں۔ راوی کا کاذب ہونا یا متہم بالکذب فاسق ہونا عام ہے کہ فعلاً
ہو جیسے مثلاً زناکار وغیرہ یا قولاً ہو جیسے غیبت کرنے والا بدعتی ہونا۔ مجہول الحال ہونا
اور حافظہ کے متعلق پانچ جروح حسب ذیل ہیں۔ اکثر غلط روایات نقل کر دینا
روایات کی نقل میں غفلت کرنا کسی قسم کا وہم کر دینا اور معتبر راویوں کی مخالفت کر
دینا۔ حافظہ میں کسی قسم کی خرابی کا ہو جانا۔ اب یہ دس وجوہ علمار کے درمیان میں
دو وجہ سے مختلف ہو گئیں اولاً یہ کہ ان وجوہ میں کس حد تک روایات ضعیف قرار
دی جاتی ہے مثلاً بدعتی ہونا آیا مطلقاً وجہ ضعف ہے یا جب کہ اپنی بدعت کے
موافق روایت کرنے والا ہو اس وقت جرح ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ دوسرے یہ

Marfat.com

کہ جس راوی کے متعلق ان ذہن عیوب میں سے کوئی عیب ثابت کیا جاتا ہے وہ عیب اس میں ہے بھی یا نہیں۔ مثلاً متہم بالکذب ہونا ایک شخص کے نزدیک وہ متہم بالکذب ہے دوسرے کے نزدیک نقل کرنے والوں کی غلطی ہے وہ سچا آدمی ہے۔ اسی طرح اور وجوہ میں بھی علمار حدیث و فقہ کے درمیان میں اختلاف ہوا۔ اور اس کے بعد ان ذہن کے علاوہ اور بھی وجوہ ضعف علمار کے درمیان میں مختلف ہوئیں۔ مثلاً کسی راوی کا سند کے درمیان میں سے ساقط کر دینا کہ ایک جماعت کے نزدیک یہ مطلق موجب ضعف ہے اور یہ روایت ضعیف بن گئی۔ لیکن دوسرے گروہ کے نزدیک یہ قاعدہ کلی نہیں کہ جہاں کہیں راوی ساقط ہو جاوے وہ روایت ضعیف بن جاوے بلکہ ان کے نزدیک اس میں تفصیل ہے کہ ساقط ہونے والا کون ہے صحابی ہے یا نیچے کے درجہ کا کوئی راوی ہے اسی طرح ساقط کرنے والا خود معتبر ہے یا غیر معتبر ہے اسی طرح اور بہت سی وجوہ ہیں جن کے درمیان علمار مختلف ہوئے ہیں کہ ان وجوہ سے روایت میں ضعف آتا ہے یا نہیں۔ ایک جماعت کے نزدیک یہ وجوہ ضعف کی ہیں لہذا ان کے نزدیک جسقدر روایات ایسی ہیں جن میں وجوہ مذکورہ بالا میں سے کوئی بات پائی جاوے گی وہ روایت ضعیف ہو جاوے گی اور وہ مسئلہ جو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے ثابت نہیں ہوگا۔ اور جن کے نزدیک یہ وجوہ موجب ضعف نہیں یا ان میں کچھ تفصیل ہے ان کے نزدیک وہ روایات جن میں وجوہ بالا میں سے کچھ پایا جاتا ہے وہ ضعیف نہیں اس لئے جو مسائل ان سے معلوم ہوتے ہوں گے وہ ثابت و حجت ہوں گے۔ دل چاہتا تھا کہ اس مضمون کو زیادہ بسط سے لکھا جاتا اور وجوہ مذکورہ بالا میں تفصیلی گفتگو کے ساتھ یہ ظاہر کیا جاتا کہ کس درجہ میں کہ کیا اختلاف ہے لیکن علمی بحث ہونے کی وجہ سے عوام کے لیے موجب ملال و طول ہونے کی وجہ سے اس کو مختصر کر دیا مگر درحقیقت یہ علمار مجتہدین میں بڑی حد تک اختلاف کا سبب ہیں کہ بعض ائمہ کے نزدیک

Marfat.com

بعض وجوہ روایات ضعیف پیدا کرتی ہیں اور دوسرے ائمہ کے نزدیک نہیں۔

اسی وجہ سے علماء اصول فقہ اصول احادیث کی کتابوں کو علم حدیث شریف سے پہلے پڑھانا ضروری خیال فرماتے ہیں کہ جب یہ اصول ذہن نشین ہو جاوے کہ فلاں فلاں وجہ سے روایات متروک ہو جاتی ہیں تو پھر یہ اشکال ذہن میں نہیں رہتا کہ حدیث میں مسئلہ آجانے کے بعد پھر علماء اس کے خلاف کیوں کرتے ہیں، اسی وجہ سے میرا عرصہ سے دل چاہتا ہے کہ حدیث کے تراجم پڑھنے پڑھانے والے حضرات حدیث کی کتاب سے قبل کسی اصول حدیث کی کتاب کا خلاصہ واجمال بھی کاش پہلے پڑھا دیا کریں کہ عوام بیچارے جو حضور کا کلام ہونے کے شوق میں ان تراجم کو پڑھتے ہیں وہ ان کو پڑھ کر گمراہ نہ ہوں اور نہ مسائل فقہیہ سے طبیعت میں تنفر پیدا ہو نہ احادیث کی طرف سے بدگمانی خیال میں آجاوے۔ دونوں امر نقصان دین کا سبب ہیں واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیمۃ اور اس سبب کے بعد اور بھی ایسی وجوہ ہیں جن سے روایت مجروح ہوتی ہے تاوقتیکہ ان کا علم نہ ہو اس وقت تک بھی روایت حدیث پر عمل جائز نہیں۔ صاحب تذکرہ لکھتے ہیں:

احادیث میں جو ایک نہایت ہی دشوار اور نازک امر ہے وہ یہ کہ جعل سازوں اور واعظوں نے چونکہ بہت سی احادیث اپنی طرف سے افترا کر لیں اور ان کے علاوہ بہت معتبر اور دیانت دار راویوں سے بھی معنے حدیث کے سمجھنے میں غلطی ہوئی اس لئے ائمہ مجتہدین کو احادیث کی جانچ کے لئے ایک ایک معیار قائم کرنا ضروری ہوا اور جو معیار و اصول انہوں نے اس کے لئے قائم کئے وہ ان اصول کے علاوہ تھے جو عام محدثین نے حدیث کی جانچ کے لئے بنائے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء حدیث کے یعنی ان اصول عامہ کے جو محدثین کے قواعد کے موافق احادیث کی جانچ کے لئے بنائے تھے۔

Marfat.com

معتبر ہیں۔ فقہا رضی اللہ عنہم نے احادیث کی جانچ
اور ترجیح و تنقیح کے لئے اصول بتلائے ہیں۔ جس کو اصول فقہ میں باب السنۃ
سے تعبیر کیا جاتا ہے ہم مثال کے طور پر اجمالی بیان بعض اصول حنفیہ کا کرتے
ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ حدیث پر عمل کے لئے کن امور کے معلوم ہونے کی
ضرورت ہے اور احادیث پر عمل کے مدعی کس قدر اس سے بے خبر ہیں۔ اہل
اصول نے تصریح کی ہے کہ ان ضروریات کے علاوہ جن کا علم کلام اللہ کے لئے
ضروری ہے، مثلاً یہ معلوم کرنا کہ یہ حکم خاص ہے یا عام یہ لفظ ایک معنی پر دلالت
کرتا ہے یا اس کے چند معنی ہیں یہ لفظ اپنے ظاہر پر ہے یا اس کے کچھ معنی غیر
ظاہر مراد ہیں یہ امر وجوب کے لئے ہے یا استحباب کے لئے وعید کے لئے ہے یا
اجازت کے لئے غرض ان سب قواعد سے واقفیت تو ضروری ہے ہی جو کلام اللہ
شریف اور احادیث کے معنی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان احکام کے بھی جاننے
کی ضرورت ہے جن کا تعلق صرف حدیث شریف سے ہے۔ اور یہ احکام چار
مباحث میں منقسم ہیں۔ اول یہ کہ حدیث شریف کا ہم سے لے کر نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم تک پہنچنے کا طریق معلوم ہونا ضروری ہے کہ احادیث کے طرق مختلف
ہوتے ہیں بعض احادیث متواتر ہوتی ہیں بعض مشہور یا آحاد جن کا مختصر سا بیان
ہم اوپر کر چکے ہیں۔ بالجملہ حنفیہ کے اصول میں اتصال کے لحاظ سے حدیث کی
تین قسمیں ہیں، متواتر مشہور خبر واحد متواتر وہ ہے جس کا بیان اوپر ہو چکا
مشہور وہ ہے جو طبقہ اولی یعنی صحابہ کے زمانہ میں ایک دو روایت کرنے والوں
سے چلی ہو اور اس کے بعد نیچے کے طبقہ میں آ کر اس کے روایت کرنے والے
متواتر کے درجہ تک پہنچ گئے ہوں تیسری خبر واحد وہ ہے جو اخیر تک متواتر
کے درجہ کو نہ پہنچی ہو۔ اس تیسری قسم کی احادیث میں علماء کے درمیان اختلاف

Marfat.com

ہے کہ یہ مطلقاً عمل کو واجب کرتی ہے یا نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے کہ بعض صورتوں میں مطلقاً واجب کرتی ہے بعض میں نہیں۔ علماء مالکیہ سے نقل کیا جاتا ہے۔ کہ ان کے نزدیک خلاف قیاس اگر ہو تو موجب عمل نہیں لیکن حنفیہ کے نزدیک اگر اس کا راوی فقیہ ہو بات کی تہ کو پہنچنے والا ہو جیسے خلفاء راشدین، عبداللہ بن مسعود عبداللہ بن عمر عبداللہ بن عباس عبداللہ بن زبیر زید بن ثابت معاذ بن جبل عائشہ صدیقہ وغیرہ وغیرہ تو وہ مطلقاً موجب عمل ہوگی خواہ قیاس کے مخالف ہو یا موافق۔ اور اس کے راوی فقاہت میں مشہور نہیں تو ان کی روایت خلاف و درایت معتبر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہ نے یہ نقل کیا کہ ہر آگ کی پکی ہوئی چیز کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو عبداللہ بن عباس نے یہ کہہ کر کہ ہم گرم پانی سے وضو کرتے ہیں کیا اس سے پھر اعادہ وضو کا کریں۔ اس حدیث کو قابل حجت قرار نہیں دیا۔ اور اگر اس کا راوی اس نوع کا ہو کہ رواۃ حدیث میں معروف نہ ہو تو اگر اس سے روایت کرنے والے معتبر ہوں بلا نکیر روایت کرتے ہوں تو وہ شخص معروف ہی سمجھا جائے گا لیکن ہر راوی کے لیے چار شرطیں لازمی ہیں۔ مسلمان ہونا، صاحب عقل ہونا، حافظہ کا صحیح ہونا اور فاسق نہ ہونا پھر ان چاروں کے لئے تفصیلات ہیں جو اپنے موقعہ پہ وضاحت سے مذکور ہیں کہ کس درجہ کا حافظہ وغیرہ ضروری ہے، مثلاً فاسق نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرتا ہو اور صغیرہ گناہ پر اصرار نہ ہو۔ اسی طرح ضبط کے متعلق بھی شرط ہے کہ سننے کے وقت پوری توجہ سے ایسا ہی سنا ہو جیسا کہ حق ہے اور اس کے بعد دوسرے کو پہنچانے تک اس کو یاد بھی رکھا ہو اور سننے کے وقت اس کو معنی کے لحاظ سے سمجھا بھی ہو۔

اس کے بعد دوسری بحث اس حدیث کے اتصال و انقطاع کے بارہ میں

Marfat.com

ہے۔ انقطاع کی اہل اصول نے دو قسمیں فرمائی ہیں۔ ایک انقطاع ظاہری کہ سند
کے درمیان سے کوئی واسطہ چھوٹ گیا ہو عام ہے اس بات سے کہ وہ واسطہ
صحابی کا چھوٹا ہو یا غیر صحابی کا آئمہ کے درمیان اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے
کہ کس صورت میں یہ حدیث قابل استدلال ہوگی اور کس صورت میں نہیں
دوسرا انقطاع باطنی ہے حقیقت میں اس کو انقطاع سے تعبیر کرنا یہ باریک بینی کی
وجہ سے اور حدیث نبوی کے ساتھ غایت درجہ احترام ہے ورنہ ظاہری نظر میں
یہ انقطاع نہیں اس وجہ سے دیگر ائمہ فقہ و اصول اس نوع کو انقطاع سے تعبیر
نہیں کرتے بالجملہ یہ مختلف وجوہ سے ہوتا ہے۔ اول یہ کہ مخالف کتاب اللہ
اس کی مثال اہل اصول لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب کہ کوئی نماز بغیر فاتحہ
کے جائز نہیں بتلاتے ہیں۔ کہ یہ مضمون چونکہ کلام اللہ شریف کی آیت فاقرءوا
ما تیسر من القرآن کے عموم کے خلاف ہے اس لئے اہل اصول کے نزدیک
اس میں کسی قسم کا انقطاع باطنی پیش آیا۔ دوسرے یہ کہ کسی مشہور حدیث کے
خلاف ہو جیسے کہ حدیث القضاء بشاھد و یمین یعنی ایک گواہ کی صورت
میں دوسرے گواہ کے بالعوض قسم لے لی جاوے اور ایک گواہ اور ایک قسم پر
فیصلہ کر دیا جائے اور یہ حدیث مشہور البینۃ علی المدعی والیمین
علی من انکر کے خلاف ہے اس لئے حجت نہیں اسی طرح کسی حادثہ مشہورہ
میں جو کثیر الوقوع ہو اس میں ایک آدھ راوی کا کسی امر کو ذکر کرنا اور بقیہ کو ذکر
نہ کرنا بھی اس کی دلیل ہے کہ اس میں کسی قسم کی گڑبڑی پیش آئی۔ اسی طرح
صحابہ کے زمانہ میں کسی مسئلہ کے متعلق صحابہ کا رد و قدح کے بعد اپنے اجتہاد
سے حکم فرمانا اور اس حدیث سے استدلال نہ فرمانا بھی جرح میں سے ہے
اسی طرح کسی راوی کا اپنی مروی حدیث سے انکار کر دینا یا اس حدیث کے
خلاف عمل کرنا یا فتوی دینا بھی روایت کی جرح میں سے ہے اس بحث کو زیادہ

Marfat.com

طویل کرنا نہیں چاہتا اہل اصول نے نہایت مفصل و وضاحت سے ان امور کو
مدلل بیان فرمایا ہے جس کا دل چاہے ان کی تالیفات میں دیکھے میرا مقصد یہ ہے
کہ جملہ ائمہ کے نزدیک خواہ وہ قبیلۂ فقہاء سے ہوں یا قبیلہ محدثین سے الفواع
حدیث کے لئے کچھ اصول اور قواعد ہیں جن سے حدیث کا معیار اس کا درجہ
اس کا واجب العمل ہونا پرکھا جاتا ہے اور انہی قواعد کے اختلاف کی وجہ سے
ائمہ کے درمیان میں بہت سی روایات کے درمیان اختلاف ہوا ہے کہ بعض ائمہ
ایک حدیث پر عمل ضروری خیال فرماتے ہیں اس لئے کہ ان کی تنقید میں وہ حدیث
معیار کے موافق اتری ہے دوسرے بعض ائمہ اس کو قابل ترک فرماتے ہیں اس
لئے کہ ان کے تبصرہ میں حدیث حجۃ و اعتبار کے درجہ کو کسی وجہ سے نہیں پہنچی ان
دونوں میں فیصلہ وہ شخص کر سکتا ہے جو دونوں کے اصول انتقاد سے کماحقہ
واقف ہو اور جو دونوں سے بے بہرہ ہو او کہ خود گم است کرا رہبری کند۔ مجھے
حقیقۃً ان غیر مقلدین سے ہمیشہ تعجب رہا جو واقف ہو کر عوام کو اس عنوان سے
بہکاتے ہیں کہ مقلدین ائمہ کے مقابلہ میں حدیث کی پروا نہیں کرتے عوام غیر مقلدین
ان سے خود ناواقف ہیں ان کی شکایت نہیں اہل علم کی شکایت ضرور ہے کہ وہ
ان امور سے واقف ہو کر کتمان کرتے ہیں اور واقعی بات پر پردہ ڈال کر خلقت
کو دھوکا دیتے ہیں ائمہ کی شان بہت اعلیٰ ہے یہ امر تو عام مسلم سے بھی کبھی گوارا
نہیں ہو سکتا کہ حدیث کے سامنے نبی اکرمؐ کے ارشاد کے مقابلہ میں کسی بڑے سے
بڑے کا قول بھی ماننے کے لئے تیار ہو جاوے لیکن یہ یقینی امر ہے کہ احادیث کا
جمع ان کی ترجیح ان کی تطبیق ان امور میں ہمعصر علماء کے بالمقابل ائمہ کا قول ان کی
تحقیق ان کی ترجیح مقدم اور ضروری ہے جس سے انکار ظلم اور تعدی ہے بالجملہ
ائمہ کے درمیان میں اختلاف بڑی وجہ روایات کے درمیان میں ترجیح ہے کہ
مختلف روایات میں سے ایک امام کے نزدیک بعض روایات راجح ہیں اور دوسرے

Marfat.com

کے نزدیک دوسری روایات راجح ہیں جس ایک فریق کے نزدیک ایک نوع کی روایات راجح ہوئی ہیں اس کے نزدیک دوسری روایات جو اس حکم کے مخالف ہیں مجروح ہیں غیر ثابت ہیں، مؤول ہیں جن لوگوں نے ایسی کتب کا مطالعہ کیا ہے جو اختلاف ائمہ کے بارہ میں لکھی گئی ہیں جیسے میزان شعرانی، کتاب المغنی بدایۃ المجتہد کشف الغمہ وہ اس حقیقت سے بہت زیادہ واقف ہیں کہ ائمہ کے مدارک اقوال کے مآخذ سب مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں صرف علت واستخراج مسائل کا فرق ہوتا ہے مثال کے لئے ہم بدایۃ المجتہد کی ایک فصل کے کچھ حصہ کی تلخیص ذکر کرتے ہیں جس سے اس امر کی توضیح ہو گی کہ حقیقتاً ماخذ ائمہ کے اقوال کے آیات واحادیث ہی ہیں البتہ طریق استنباط مختلف ہوتا ہے۔ ابن رشد کہتے ہیں کہ نواقض وضوء میں اصل باری تعالیٰ کا قول ہے او جاء احد منکم من الغائط او لمستم النساء اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ لا یقبل اللہ صلوۃ من احدث حتی یتوضاء۔ اس باب میں ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بول وبراز ریح مذی ودی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے بوجہ روایات واردہ کے اور اس باب میں سات مسائل جو بمنزلہ قواعد کلیہ کے ہیں مختلف ہیں۔

اول ان اشیاء میں اختلاف ہے جو سبیلین کے علاوہ بدن انسانی سے کوئی نجس خارج ہو اور علماء کے اس میں تین اقوال ہیں جن لوگوں نے آیت بالا میں خروج نجس کو علت نقض قرار دیا ان کے نزدیک بدن کے جس حصہ سے بھی خروج نجس ہو گا وہ ناقض وضو ہو گا اس لئے علت نقض پائی گئی اور یہ لوگ امام ابو حنیفہ اور ان کی جماعت اور امام ثوری امام احمد بن حنبل ہیں اور ان سے قبل صحابہ کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے ان کے آثار ان کے شاہد ہیں ان حضرات کے نزدیک ہر نجس کا خروج خواہ بدن کے کسی حصہ سے ہو ناقض وضو ہے۔

Marfat.com

جیسے خون نکسیر فصد قے وغیرہ

دوسرا قول دوسرے ائمہ کا ہے انہوں نے آیت بالا میں نقض وضو کی علت خروج من السبیلین قرار دی ان کے نزدیک سبیلین سے جو کچھ بھی نکلے خواہ دم یا کنکر اور جس طرح بھی نکلے مرض سے یا صحت سے ناقض وضو ہوگا غیر سبیلین کے خارج کا یہ حکم نہیں یہ لوگ امام شافعی صاحبؒ اور ان کی جماعت ہیں۔

تیسری وہ جماعت ہے جنہوں نے خارج اور محل خروج دونوں کا اعتبار کیا وہ فرماتے ہیں سبیلین میں سے جو معتاد چیز خارج ہو جیسے پیشاب مذی وغیرہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور جو غیر معتاد خارج ہو جیسے کیڑا خون وغیرہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس قول کے قائل امام مالکؒ اور ان کے ہمنوا ہیں اب اسی ایک آیت سے ائمہ اربعہ نے استدلال استنباط فرمایا لیکن چونکہ علۃ نقض وضو میں جملہ حضرات کا اختلاف تھا اس لئے حکم میں بھی اختلاف ہوتا رہا۔ اور ان ہی اصول کی بنا پر اب آثار و روایات میں بھی اختلاف ہوا امام ابو حنیفہؒ امام احمد بن حنبلؒ امام شافعی صاحبؒ کے نزدیک چونکہ آیت میں اگرچہ خاص ما خرج من السبیلین کا حکم ہے لیکن یہ ایک تمثیل ہے اور حکم عام ہے اس لئے مستحاضہ وغیرہ کی ان روایات میں جن میں مستحاضہ کے لئے وضو کا حکم ہے اس سے ان حضرات نے تائید پکڑی اور امام مالکؒ کے نزدیک چونکہ یہ حکم خاص تھا لہذا مستحاضہ کی ان روایات میں جن میں وضو کا حکم وارد ہوا تھا انہوں نے کلام فرمایا اور اس بناتی وضو کو غیر ثابت غیر معتبر قرار دیا۔

اسی طرح دوسرا مسئلہ نوم کا ہے کہ علماء کے اس میں بھی تین مذہب ہیں۔ بعض نے نوم کو مطلقاً ناقض وضو فرمایا اور دوسرے بعض حضرات نے مطلقاً غیر ناقض وضو فرمایا اور تیسری جماعت نے تفصیل فرمائی کہ بعض انواع نوم کو ناقض وضو قرار دیا اور بعض کو نہیں۔ یہ کیوں ہوا اس لئے کہ باب نوم میں دو طرح کی روایات

وارد ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نوم ناقض نہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور آرام فرمایا حتی کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کی آواز خراٹوں کی سنی اور پھر حضورؐ نے اٹھ کر نماز پڑھ لی اور وضو نہیں فرمایا۔ اسی طرح ایک روایت میں وارد ہوا کہ بعض صحابہؓ مسجد میں بیٹھے ہوئے نماز کے انتظار میں اونگھنے لگتے تھے اور پھر نماز پڑھ لیتے تھے لیکن دوسری روایات اس کے خلاف ہیں مثلاً صفوان ابن عسال نقل کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا پیشاب پاخانہ یا نوم کی وجہ سے موزہ اتارنے کی ضرورت نہیں مسح کافی ہے البتہ جنابت کی حالت میں مسح کافی نہیں ایسے ہی ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ وضو اس پر واجب جو لیٹ کر سوئے وغیرہ وغیرہ علماء نے ان دونوں قسموں کی روایات میں دو طریق اختیار فرمائے بعض حضرات نے ترجیح کو اختیار کیا اور اس میں پھر دو طریق ہو گئے کہ ایک گروہ نے اول نوع کی احادیث کو راجح سمجھا اور اس کی وجوہ ترجیح ان کو زیادہ ملی انہوں نے دوسری قسم کی روایات کو مرجوح قرار دیا اور دوسروں نے اس کا عکس کیا اور تیسرے فریق نے دونوں کو راجح سمجھا کسی ایک کی خاص طور سے ترجیح کی وجوہ ان کو نہ ملیں۔ انہوں نے دونوں کے درمیان جمع فرمایا اور نوم کی اقسام میں تفریق فرمائی کہ ایک قسم نوم کو ناقض وضو قرار دیا اور دوسری قسم کو ناقض نہیں سمجھا۔

اسی طرح تیسرا مسئلہ عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹنے کا ہے ایک جماعت کا مذہب ہے کہ اگر عورت کو ہاتھ سے بلا کسی حائل کے چھو دے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور دوسری جماعت کی تنقیح ہے کہ یہ حکم مطلقاً نہیں بلکہ اس کے ساتھ لذت کی بھی قید ہے کہ اگر لذت سے ہاتھ لگائے گا تو وضو ٹوٹ جاوے گا ورنہ نہیں تیسری جماعت کی تحقیق ہے کہ ہاتھ سے چھونے سے وضو ٹوٹتا ہی نہیں صحابہ

رضی اللہ عنہم کی جماعت میں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا اور اسی وجہ سے صحابہ اور تابعین
کی جماعت میں بھی تینوں مذاہب کے قائل ملتے ہیں۔ ائمہ میں پہلا قول امام شافعیؒ
کا ہے دوسرا طریق امام مالک رضی اللہ عنہ کا مختار ہے اور تیسرا مسلک امام اعظم
ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا۔ ان حضرات کے اختلاف کا مبنیٰ لفظ لمس کا مشترک المعنی
ہونا ہے کلام اللہ شریف میں او لمستم النساء وارد ہوا ہے، اور کلام عرب
میں لمس کا اطلاق دو معنی پر آتا ہے صحبت اور جماع کرنے میں بھی بولا جاتا ہے۔
اور ہاتھ سے چھونے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر ائمہ کے درمیان
میں اختلاف ہوا ایک جماعت کے نزدیک اس سے جماع کرنا مراد ہے اس لئے
ان کے نزدیک یہ آیت وضو توڑنے والی چیزوں کو شامل ہی نہیں۔ یہ امام اعظمؒ
کا مسلک ہے، دوسرے حضرات کے نزدیک وضو توڑنے کا بیان ہے اور لمس
سے مراد چھونا ہے ان کے نزدیک آیت سے وضو ٹوٹنے کا حکم معلوم ہوا، لیکن ان
حضرات میں پھر یہ اختلاف ہوا کہ یہ حکم عام ہے یا کسی قید کے ساتھ مقید ہے حضرات
شافعیہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک مطلق ہے کسی قید کے ساتھ مقید نہیں اس لئے
ان کے نزدیک اس سے مطلقاً وضو ٹوٹ جاتا ہے، امام مالک رضی اللہ عنہ کے
نزدیک یہ مقید ہے ایک اور قید کے ساتھ وہ یہ کہ لذت سے چھوا ہو ان سب
حضرات کے نزدیک اس امر کے لئے آثار و قرائن بھی موجود ہیں اور ان آثار و قرائن
ہی کی بنا پر وہ حضرات اس آیت کے معنی متعین فرماتے ہیں مثلاً امام مالک
اور امام اعظم رضی اللہ عنہما کے نزدیک منجملہ اور بہت سے قرائن کے ایک قرینہ
یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعدد طرق سے یہ بات ثابت ہے
کہ بسا اوقات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک نماز یا غیر نماز کی
حالت میں حضرت عائشہؓ کو لگ جاتا تھا اور حضورؐ وضو نہیں فرماتے تھے چنانچہ
ایک مرتبہ آپ اندھیرے میں نماز تہجد ادا فرما رہے تھے۔ کہ چراغ وغیرہ کا

اس زمانہ میں دستور نہ تھا سجدہ کو جاتے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو قریب ہی سو رہی تھیں ان کا پاؤں سامنے آ گیا تو حضورؐ نے نماز ہی کی حالت میں اس کو ہٹا دیا اس سے معلوم ہوا کہ صرف چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ لیکن ہر طرح کے چھونے سے نہیں ٹوٹتا یا کسی خاص چھونے سے بالکلیہ کے نزدیک بلا شہوت سے نہیں ٹوٹتا اور حنفیہ کے نزدیک عام ہے کسی طرح کے چھونے سے نہیں ٹوٹتا کیوں! اس لئے کہ ایک دوسری حدیث میں حضرت عائشہؓ نقل فرماتی ہیں کہ حضورؐ بعض مرتبہ کسی بیوی کو پیار کرتے اس کے بعد بلا وضو فرمائے نماز ادا فرماتے۔

یہ چھونا بالامحالہ شہوت اور محل شہوت کا ہے اس لئے بیوی کو پیار بالعموم بلا شہوت نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ غرض اس طرح سے ائمہ کے درمیان میں جو اختلاف ہوتا ہے وہ حقیقتہً اس اختلاف آثار و روایات پر متفرع ہوتا ہے جس کو میں سابقہ مضمون میں مفصل نقل کر چکا ہوں اور اس کے ساتھ اختلاف وجوہ ترجیح اور وجوہ ضعف روایات مزید برآں ہیں۔

الحاصل ائمہ کے درمیان میں اختلاف کی بڑی وجہ روایات حدیث کے نقد و تبصرہ پر متفرع ہے کہ مختلف اسباب ضعف کی بنا پر ایک روایت کسی امام کی تحقیق میں سچی ثابت ہوئی اس کے نزدیک وہ واجب العمل اس سے جو حکم ثابت ہوتا ہو وہ واجب العمل دوسرے امام کے نزدیک وہ روایت معیار صداقت میں درجۂ کمال کو نہیں پہنچی اس وجہ سے اس کے نزدیک اس سے حکم شرعی کا ثبوت دشوار۔ اور حقیقتہً یہ اختلاف اپنے محل پر ہے بداہۃً عقل اس کی تصدیق کرتی ہے اس لئے کہ جب روایات حدیث کی صحت و سقم کا مدار رواۃ کے احوال پر ہے اور رواۃ کے احوال میں اختلاف تحقیق یقینی تو روایات حدیث پر عمل میں اختلاف بھی یقینی اس کی مثال اس بیمار کی سی ہے جو چند طبیبوں کے درمیان ہو کہ ایک حکیم کے نزدیک اس کا مرض نہایت خطرناک دوسرے کے نزدیک معمولی اور تیسرے

کے نزدیک بیمار کا وہم ہی اس کی بیماری کا سبب ہے ورنہ وہ تندرست ہے اسی طرح ایک راوی بعض اہل نظر کے نزدیک ایک غیر معتبر اور مطعون ہے دوسرے کے نزدیک ایماندار سچا پکا تو ایسی حالت میں نہ ان اطبا پر حملہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ائمہ جرح و تعدیل پر بلکہ بیمار کے تیمار داروں سے یا احادیث و شریعت کے پیروں سے یہی کہا جاوے گا کہ تمہاری نگاہ میں جس شخص کی تحقیق پر اعتماد ہو اس کے ساتھ ہو تو حق سبحانہ مدد فرماویں نہ یہ کہ معجون مرکب بنا کر سب کا استعمال شروع کر دیا جاوے۔ ائمہ حدیث نے تصریح کی ہے کہ ناقدین حدیث کی مثال صراف کی سی ہے۔ کہ سونے کو دیکھ کر فوراً تاڑ جاتا ہے کہ کھرا ہے یا کھوٹا حافظ ابن حجر شرح نخبہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

کہ علوم حدیث کی انواع میں سب سے زیادہ دقیق بحث معلل کی ہے اس کا ماہر وہی شخص ہو سکتا ہے جس کو حق تعالیٰ شانہ روشن فہم اور وسیع حافظہ عطا فرماویں نیز رواۃ کے درجہ اور رتبہ کی معرفت اور ملکہ قویہ اسانید اور متون میں پیدا ہو گیا ہو اسی وجہ سے ائمہ حدیث میں سے بہت ہی قلیل جماعت نے اس میں لب کشائی فرمائی ہے، جیسے علی بن المدینی امام احمد بن حنبل بخاری دارقطنی وغیرہ میں اس کے بعد لکھتے ہیں کہ حدیث میں علت بیان کرنے والے کی عبارت بسا اوقات اس سے قاصر ہوتی ہے کہ وہ اس پر حجۃ و دلیل قائم کر سکے جیسے کہ صراف دراہم دنانیر کو پرکھتے ہیں۔ اسی طرح علامہ سیوطی تدریب میں لکھتے ہیں۔

کہ انواع حدیث میں سے اٹھارویں قسم معلل ہے یہ نوع جملہ انواع میں جلیل و دقیق ہے۔ اور اشرف انواع میں شمار ہوتی ہے وہی لوگ اس پر قابو پا سکتے ہیں جن کا حافظہ اور جانچ کامل ہو۔ حاکم کہتے ہیں کہ حدیث بسا اوقات معلل ہو جاتی ہے اور ظاہراً کوئی جرح اسمیں معلوم نہیں ہوتی اور حجت تعلیل میں ہم لوگوں کے نزدیک حافظہ فہم اور حدیث کی معرفت ہے اور کچھ نہیں۔

ابن مہدی کہتے ہیں کہ مجھے ایک حدیث کی علت معلوم ہو جاوے وہ اس سے بہتر ہے کہ دس احادیث جدیدہ حاصل کروں علامہ نووی کہتے کہ علت حدیث اس باریک عیب کو کہتے ہیں جو مخفی ہو ظاہر حدیث میں کوئی جرح نہیں ہوتی مگر حقیقتاً اس میں کوئی باطنی جرح ہوتی ہے جو کبھی تفرد راوی سے معلوم ہو جاتی ہے اور کہیں رواۃ کی مخالفت سے اور اس کے ساتھ کچھ اور قرائن منضم ہو جاتے ہیں جس کو اہل فن معلوم کر سکتے ہیں۔ ابن مہدی سے کسی نے پوچھا کہ تم بعض احادیث کو معلل کہہ دیتے ہو بعض کو صحیح یہ کس طرح معلوم کرتے ہو انہوں نے فرمایا کہ اگر صراف کے پاس تم کچھ دراہم لے کر جاؤ اور وہ بعض کو کھوٹا بتلا دے اور بعض کو عمدہ تو اس سے بھی پوچھتے ہو کہ کس دلیل سے پہچانا۔ حقیقت یہ ہے کہ احادیث کے ساتھ کثرت ممارست اور ہر وقت کی چھان بین سے یہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے ابو زرعہ سے کسی نے پوچھا کہ تم بعض احادیث کو کھوٹی بتلا دیتے ہو اس پر کیا دلیل ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے کسی حدیث کو پوچھو اور جب میں کھوٹی بتلا دوں تو ابن وارہ سے پوچھو اور پھر ابو حاتم سے پوچھو اگر سب ایک ہی بات کہیں تو حقیقت سمجھ لوگے چنانچہ انہوں نے اس کا تجربہ کیا تو ایسے ہی ملا۔ مجھے ان اقوال کا احاطہ مقصود نہیں۔ علم حدیث سے ممارست رکھنے والے اس کو خوب جانتے ہیں، میرا مقصود اس امر کو واضح کرنا تھا کہ ائمہ کا اختلاف اول روایات و آثار کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے جو سابقہ مباحث میں گذر چکے اور اس کے ساتھ ان کی تصحیح و تضعیف میں اختلاف جو بدیہی اور فطری ہے۔ مزید براں اس زمانہ میں چونکہ علم سے نا شناسائی جاتی رہی اس وجہ سے عوام کو چھوڑ کر بہت سے ناقص العلم مدعی فضل و کمال اس دھوکہ میں مبتلا ہیں کہ ائمہ کے اجتہادات آپس میں مخالف ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ ائمہ اپنی طرف سے بلا دلیل اور بلا کسی ماخذ کے اجتہاد کر لیتے ہیں بلکہ

غالب حصہ مشکوٰۃِ نبوت ہی سے مستنبط ہوتا ہے اور وجوہ استنباط مختلف ہوتے ہیں، بالجملہ ائمہ کے درمیان میں اختلاف کی بڑی وجہ ان روایات کا درجہ ہے جن میں احکام وارد ہوئے ایک امام کے نزدیک ایک روایت جو کسی حکم کو شامل ہے وہ صحیح ہے معتبر ہے دوسرے امام کے نزدیک دوسری روایت جس میں اس کے خلاف حکم ہے وہ صحیح اور معتبر ہے، اور جبکہ ائمہ فقہ خود بمنزلہ طبیب اور صرّاف کے ہیں روایات پر قبول اور رد کا حکم لگانا ان کا کام ہے اس پر یہ جرح یا اشکال کرنا کہ فلاں امام نے اس روایت کو کیوں معتبر نہیں سمجھا حماقت اور جہالت ہے اس لئے آج تیرہ سو برس بعد نہ یہ تحقیق متعین کہ ائمہ کے پاس روایات ان اسانید سے پہنچیں جو ہمارے سامنے ہیں اور نہ یہ کہ ائمہ کے نزدیک یہی وجوہ جرح ہیں جو ہمارے نزدیک ہیں یا بخاری مسلم نے تحریر فرمادی ہیں بالخصوص جب کہ ائمہ اربعہ کا درجہ رتبہ زمانہ سب کچھ بخاری مسلم سے مقدم ہے اور جب ان سے مقدم ہے تو پھر ان کے بعد والے ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ کا کیا کہنا اور اس کے بعد ان کے بھی پیچھے آنے والے دارقطنی بیہقی وغیرہ کا تو ائمہ کے سامنے ذکر ہی کیا ہے یہی وجہ ہے کہ ان سب حضرات کو بھی باوجود اپنی جلالت شان اور ائمہ حدیث ہونے کے فقہ میں تقلید بغیر چارہ نہیں ملا اور نہ ہو سکتا ہے کہ روایت حدیث کے الفاظ نقل فرمادینا، اس کے طرق محفوظ فرمالینا امر آخر ہے اور اس سے مسئلہ کا استنباط اور فقہی حیثیت سے اس پر عمل امر آخر ہے۔

اس کے بعد دوسرا اختلاف ائمہ فقہ میں وجوہ ترجیح میں ہوا ہے اس کا بیان اگر مجملاً پہلے آچکا ہے مگر چونکہ یہی درحقیقت ائمہ کے مابین اختلاف کی بڑی وجہ ہے اس لئے اجمالی گفتگو اس پر مستقل کرنی بھی ضروری ہے ائمہ کے درمیان میں روایات کو صحیح مان کر وجوہ ترجیح میں بھی اختلاف ہے یعنی دو مختلف مضمون کے درمیان میں وجہ ترجیح کیا کیا ہو سکتی ہے، یہ بیان بھی بہت طویل ہے اور ائمہ

اربعہ کی کتب دیکھنے سے اس کی تفصیلی حقیقت واضح ہوتی ہے تمثیل کے طور پر مختصراً عرض کرتا ہوں سفیان بن عیینہ نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور اوزاعی کا اجتماع مکہ کے ایک بازار میں ہوا، امام اوزاعی نے امام صاحب سے سوال کیا کہ تم لوگ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔ امام صاحب نے فرمایا اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کا ثبوت صحت کے درجہ میں نہیں پہنچا اوزاعی نے زہری عن سالم عن ابیہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یرفع یدیہ اذا افتتح للصلوٰۃ وعن الرکوع وعند الرفع منہ یعنی زہری سالم سے نقل کرتے ہیں اور وہ ابن عمر سے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرماتے ہوئے اور رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین فرماتے تھے۔ امام صاحب نے اس کے جواب میں حماد عن ابراہیم عن علقمۃ والاسود عن ابن مسعودؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یرفع یدیہ الا عند افتتاح الصلوٰۃ الحدیث پڑھ کر سنائی یعنی حماد ابراہیم سے اور وہ علقمہ اور اسود سے اور وہ دونوں عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تھے تو رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت فرماتے تھے اس پر اوزاعی نے کہا کہ میں زہری عن سالم کی سند بیان کرتا ہوں یعنی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تین ہی واسطے ہیں اور تم چار واسطے والی سند حماد عن ابراہیم نقل کرتے ہو امام صاحب نے فرمایا کہ حماد زہری سے زیادہ فقیہ ہیں، اور ابراہیم سالم سے زیادہ اور علقمہ بھی فقاہت میں ابن عمر سے کم نہیں، اور اگر ابن عمر کو صحابی ہونے کی فضیلت حاصل ہے تو علقمہ کو او بعض فضائل حاصل ہیں، اور عبداللہ بن مسعود کا تو پوچھنا ہی کیا اس پر اوزاعی کو سکوت کرنا پڑا۔ ابن عربی ترمذی کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جب ابن عمرؓ اور ابن مسعودؓ میں کسی امر میں تعارض ہو تو

ابن مسعودؓ کو ترجیح ہو گی۔

میرا مقصود اس مناظرہ کے ذکر کرنے سے ان دونوں حضرات کی وجوہ ترجیح کو بتلانا ہے کہ اوزاعی کے نزدیک اور بھی حضرات شافعیہ کا بھی مسلک ہے، کہ سلسلہ سند کے کم ہونے سے ترجیح روایت کو حاصل ہوتی ہے اور امام صاحب کے نزدیک روایت کرنے والوں کے فقیہ ہونے سے ترجیح ہوتی ہے اور حنفیہ کے نزدیک وجوہ ترجیح میں سے اہم وجہ یہ بھی ہے کہ جب روایات کے درمیان تعارض ہوتا ہے تو یہ فقیہ کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں اور قرین عقل بھی ہے کہ جس قدر آدمی سمجھ دار ہو گا اسی قدر بات کو علی وجہ الاتم نقل کر سکتا ہے اسی طرح سے حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اہل مدینہ کا عمل کسی روایت کے موافق ہونا اس کی ترجیح کی وجہ ہوتی ہے لیعنی جب کہ دو روایتوں میں تعارض ہو تو جس حدیث کے موافق اہل مدینہ کا عمل درآمد ہو گا وہ اس کو راجح قرار دیں گے چنانچہ مؤطا امام مالک کے دیکھنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے ابن عربی مالکی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں۔

کہ امام مالک کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی حدیث اہل مدینہ میں مشہور ہوتی ہے تو وہ سند کی تنقیح سے مستغنی ہوتی ہے جن وجوہ سے روایات کے درمیان میں ترجیح ہوتی ہے وہ بہت زیادہ ہیں۔ حازمی نے کتاب الناسخ والمنسوخ میں پچاس ۵۰ وجوہ ترجیح بتلائی ہیں جن کی بنا پر دو روایتوں میں سے کسی ایک کو دوسری پر ترجیح ہوتی ہے اور عراقی نے کتاب النکت میں سو ۱۰۰ سے زیادہ بتلائی ہیں یہ سب وجوہ ائمہ کے درمیان میں متفق علیہ نہیں عمل بالحدیث کرنے والے کا بڑا فرض ہے کہ ان سب کی تحقیق کرنے کے بعد یہ دیکھے کہ کون سی روایت میں وجوہ ترجیح زیادہ پائی جاتی ہیں تاکہ وہ اس کو دوسری متعارض روایات پر ترجیح دے سکے اسی وجہ سے حنفیہ ان روایات کو بھی ترجیح دیتے ہیں جو قوۃ سند یا علو سند کے لحاظ سے

زیادہ راجح نہیں ہوتیں کیوں ؟ اس لئے کہ انمیں اس سے زیادہ قوی وجوہ ترجیح پائی جاتی ہیں۔ مثلاً حنفیہ کے نزدیک کسی مضمون حدیث کا اوفق بالفاظ القرآن ہونا قوی تر وجوہ ترجیح میں سے ہے اور یہ امر نہایت بدیہی ہے اس لئے کہ الفاظ حدیث کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہونا یقینی نہیں رواۃ کا بالمعنٰی حدیث نقل کرنا پہلے بیان کیا جا چکا اور الفاظ قرآنی کا بلفظہٖ منقول ہونا قطعی ہے اس لئے مختلف روایات کے مضمون میں جو مضامین الفاظ قرآنیہ سے زیادہ قریب معلوم ہونگے اس کا راجح ہونا یقینی اور بدیہی امر ہے۔ اسی وجہ سے حنفیہ رفع یدین کی روایات کے درمیان میں ان روایات کو راجح قرار دیتے ہیں جو عدم رفع پر دلالت کرتی ہیں۔ اس لئے کہ کلام مجید میں وقوموا للّٰہ قانتین وارد ہوا ہے اور اس کے معنٰی راجح قول کے موافق ساکنین کے ہیں اس بنا پر جتنی مختلف روایات ایسی ہوں گی جن میں سے ایک سکون کے قریب ہو وہ حنفیہ کے نزدیک راجح ہوگی اور واقعات سے اس کی شہادت اور تائید ملتی ہے کہ بالاتفاق نماز میں اول اول بہت سے اعمال مثلاً بولنا بات کرنا وغیرہ وغیرہ جائز تھے پھر رفتہ رفتہ سکون کی طرف انتقال ہوا اس لئے ہر وہ متعارض روایات میں سے جو بھی روایت سکون کے قریب ہوگی۔ حنفیہ کے نزدیک وہ راجح ہوگی اسی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک قراءۃ خلف الامام کی متعارض روایات میں وہ روایات راجح ہیں جو عدم قراءۃ پر دلالت کرنے والی ہیں اس لئے کہ وہ آیت قرآنی واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کے اقرب ہیں اسی وجہ سے احناف کے نزدیک صبح کی نماز اور عصر کی نماز میں تاخیر اولی اور افضل ہے اس لئے کہ وہ آیت قبل طلوع الشمس و قبل غروبھا کے زیادہ قریب ہے اس لئے کہ آفتاب کے طلوع ہونے سے قبل اور غروب ہونے سے قبل اسی وقت بولا جاتا ہے جب کہ اس کے قریب ہو، اس لئے کہ غروب سے تین چار گھنٹہ قبل

کو کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ میں اس سے قبل پہنچ جاؤں گا۔ اور یہی وجہ ہے کہ حنفیہ نے وتر کے قنوت میں اللھم انا نستعینک الخ اس دعا کو راجح قرار دیا ہے کہ یہ قرآن شریف کی دو سورتیں بتائی جاتی ہیں اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں جن کو تطویل کے خوف سے ترک کیا جاتا ہے، مگر عمل بالحدیث کے لئے وجوہ ضعف روایات اور وجوہ ترجیح کا معلوم کرنا نہایت ہی اہم ہے۔ بدون اس کے عمل بالروایات ممکن ہی نہیں۔ میں نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں اصول ائمہ کی تلخیص اور وجوہ ترجیح جمع کرنے شروع کئے تھے۔ مگر وقت نے اس کی تکمیل کی مساعدۃ نہ کی۔

واللہ الموفق۔

حضرت شیخ ارشاد فرماتے ہیں

یہ مضمون کچھ اس سے زائد بھی لکھا گیا تھا مگر اس وقت مسوّدہ اتنے ہی کا ملا اس کے بعد اسباب کی نامساعدت سے رسالہ "المظاہر" ہی بند ہو گیا۔ احباب کا بہت ہی شدید اصرار اس کی تکمیل کا رہا، اور میری بھی خواہش رہی اس لئے کہ جو مضامین اس وقت میرے ذہن میں تھے وہ بہت ہی طویل اور مبسوط تھے۔ میرا اندازہ اس وقت چار سو۔ پانچسو صفحات لکھنے کا تھا مگر اس کے بعد مشاغل کے ہجوم نے اس کی تکمیل کی نوبت نہ آنے دی اور مجھے اس کے ناقص ہونے کی وجہ سے اس کی طباعت کا بھی داعیہ نہیں ہوا، اگرچہ بہت سے احباب نے اصرار کئے مگر میں ہر مرتبہ یہی کہتا رہا کہ وہ تو ابتدائی اور ناقص مضمون ہے۔ لیکن میرے سنہ ۱۳۹۰ھ کے سفر حجاز میں عزیز شاہد سلمۂ نے ان پریشان اوراق کو نامعلوم کہاں سے تلاش کر لیا، ابھی اس کے ۱-۲ جز اور لکھے ہوئے باقی ہیں جو نہیں ملے اس نے اس کی طباعت پر اصرار کیا اور کہا اتنا بھی ضروری اور بہت مفید ہے، اور میرے مخلص احباب مفتی محمود صاحب، مولوی یونس صاحب، مولوی عاقل صاحب، مولوی سلمان صاحب وغیرہ سب ہی نے اس کی طباعت پر زور دیا۔ اس لئے میں نے عزیز موصوف کو اس کی طباعت کی اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ اس کو بھی اور پڑھنے والوں کو بھی فائدہ پہنچائے۔

محمد زکریا

۲۲ جمادی الاول سنہ ۱۳۹۱ھ

تقریر بخاری شریف (اردو)

— از —

افاضات العلامہ المحدث الکبیر عارف باللہ حضرت
شیخ الحدیث صاحب مہاجر مدنی قدس اللہ سرہٗ

یہ مجموعہ حضرت اقدسؒ کی بخاری شریف کی تقاریر کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ اس کو درس ہی کے انداز پر قلمبند کیا گیا۔ حاشیہ اور عبارت آرائی سے اجتناب کیا گیا۔ یہ تقریر جس طرح ایک طالب علم کیلئے مفید ہے اسی طرح ایک مدرس و عالم کیلئے بھی رہنما ہے۔ پوری تقریر تو انشاء اللہ ہزار صفحات کے لگ بھگ پر آئیگی۔ اس کا پہلا حصہ $\frac{20 \times 30}{8}$ کی بڑی تقطیع کے ۴۰۸ صفحات پر محیط ہے، دوسرا حصہ ۲۰۸ صفحات پر زیر طبع ہے۔

ھدیہ حصہ اوّل ـــــــــ ۔/۴۵

مکتبۃ الشیخ



حضرت اقدس شیخ الحدیث، عارف کبیر، حضرت مولانا

محمد زکریا صاحب کاندھلوی ثم مہاجر مدنی قدس اللہ سرہٗ

پتہ ◎ محمد یحیٰی مدنی ◎ ۳/۳۶۷ بہادر آباد، بالمقابل

مسجد رحمت عالم ◎ گلی ۱۹ ◎ کراچی

• مکتبہ نے حضرت اقدسؒ کی خود اپنی اور دوسرے اہل حق کی

پسند فرمودہ تصانیف کی طباعت کا آغاز کیا ہے۔

ابتداء

تقریر بخاری شریف (اردو) سے جس کی تفصیل اندر کے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

دیگر زیر طبع کتب

(۱) تقریر بخاری شریف (اردو) جلد ثانی (۲) فضائل عربی زبان

(۳) داڑھی کا وجوب (۴) فتاویٰ خلیلیہ

تصانیف

حضرتِ اقدس شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ صاحب

مہاجر مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ

خصائلِ نبوی اردو شرح شمائل ترمذی
حکایاتِ صحابہؓ
فضائل ذکر
فضائل نماز
فضائل قرآن مجید
فضائل رمضان
فضائل تبلیغ
فضائل درود شریف
فضائل حج
فضائل صدقات (۲ حصے)
فضائل تجارت
اسلامی سیاست یا الاعتدال
فی مراتب الرجال
موت کی یاد

تبلیغی جماعت پر چند عمومی اعتراضات
اور اُن کے مفصل جوابات
تقریر بخاری شریف
تاریخ مشائخ چشت
کتبِ فضائل پر اشکالات
اور اُن کے جوابات
اکابر کا رمضان
خوانِ خلیل (مع ضمائم)
مکتوباتِ شیخؒ
آپ بیتی (۷ حصے)
قرآن مجید اور جبریہ تعلیم
حجۃ الوداع (اردو)
تاریخ مظاہر (۲ حصے)
مکتوباتِ تصوف

مکتوباتِ علمیہ
اکابر کا سلوک واحسان
ارشاد الملوک (مقدمہ)
اکمال الشیم (مقدمہ)
داڑھی کا وجوب
فضائل زبان عربی
اختلاف الائمہ
رسالہ اسٹرائک
تکملہ الاعتدال
اکابر کا تقویٰ
آداب الحرمین
وصایا امام ابوحنیفہؒ
شریعت وطریقت
اکابر علماء دیوبند

بذل المجہود فی حل سنن ابی داؤد
الکوکب الدری علی جامع الترمذی
حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم
امانی الاحبار فی شرح معانی الآثار

لامع الدراری علی جامع البخاری
اوجز المسالک الی موطا امام مالک
الابواب والتراجم للبخاری